كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى
وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ

براہین العقائد

مؤلفہ

(۱) حضرت سید میر محمد اسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۲) حضرت حافظ روشن علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۳) جناب قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل ربوہ

بار دوم — دسمبر ۱۹۵۹ء — تعداد طبع ۱۰۰۰

عرضِ ناشر

ستمبر ۱۹۱۸ء میں حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے ایک خطبہ جمعہ میں احباب جماعت کو اسلام کے بنیادی مسائل کے متعلق یہ تاکیدی ارشاد فرمایا تھا کہ

"ان مسائل کا بادلائل سمجھنا ہر ایک کے لئے ضروری ہے جن کا تعلق عقائد سے ہے۔ مثلاً ہستی باری تعالیٰ۔ وجود ملائکہ۔ قضاء و قدر۔ نبوت، قیامت۔ نبیوں کی صداقت ان سب مسائل کے دلائل معلوم ہوں" (الفضل ۴ ستمبر ۱۹۱۸ء)

چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تعمیل میں یہ رسالہ مرتب کیا گیا جس میں (۱) ہستی باری تعالیٰ (۲) ملائکہ (۳) قیامت ان تین ارکان پر حضرت علامہ میر سید محمد اسحاق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تین نہایت عام فہم دلآویز اور عالمانہ مضامین اور حضرت مولانا حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تین نہایت فاضلانہ اور معلومات دینیہ سے لبریز مضامین (۴) قرآن مجید الہامی کتاب ہے (۵) قرآن مجید کے بعد بھی سلسلہ وحی و غیر تشریعی الہام کا سلسلہ جاری ہے (۶) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے سچے اور کامل رسول ہیں۔ اور قدر و خیر و شر کا ساتواں پُر مغز مضمون محترم جناب قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل کا ہے۔

امید ہے احباب جماعت ان قابل قدر اور نادر ولاجواب مضامین کو بنظر غائر پڑھیں گے اوراق سے خاطر خواہ فائدہ اٹھائیں گے۔ یہ رسالہ آج سے چالیس سال قبل (فروری ۱۹۱۹ء میں) احمدیہ بک ایجنسی قادیان کی طرف سے شائع ہوا تھا۔ جسے اب خاکسار۔ احباب کرام کے افادہ کی خاطر احمدیہ کتابستان ربوہ کی طرف سے شائع کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

خاکسار:۔ ملک فضل حسین احمدی مہاجر منیجر احمدیہ کتابستان ربوہ (۱۵ دسمبر ۱۹۵۹ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اٰمَنَّا بِاللّٰہِ

ہستیٔ باری تعالیٰ

دہریوں کی طرف سے ہمیشہ یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اگر خدا ہے تو ہمیں دکھا دو۔ اور یہ ایک ایسا مطالبہ ہے جو ہر ایک دہریہ سے سنا جاتا ہے۔ اس کے جواب میں عرض ہے کہ دہریوں کا یہ مطالبہ بالکل ناواجب ہے۔ کیونکہ ہر چیز کے ثبوت کے لئے صرف دیکھنا ہی معیار نہیں۔ بلکہ بہت سی چیزیں اگر دیکھکر معلوم ہوتی ہیں۔ تو بہت سی ایسی بھی ہیں۔ جو دیکھنے سے ثابت نہیں ہوتیں۔ بلکہ چکھنے سے جیسے کڑوی۔ میٹھی۔ نیلی۔ پھیکی۔ نمکین۔ ایسی تمام چیزیں دیکھنے میں یکساں ہیں اور آنکھ اُن میں کوئی تمیز نہیں کر سکتی۔ لیکن ان چیزوں میں امتیاز صرف چکھنے سے ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص ایک دہریہ کے سامنے دعوےٰ کرے۔ کہ کڑوا بادام دُنیا میں کوئی نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر کوئی ہے۔ تو مجھے اس کی کڑواہٹ دکھاؤ اس کے جواب میں وہ دہریہ ایسے شخص کو کہے گا۔ بادام کا کڑوا اور میٹھا

ہونا آنکھ سے نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ یہ تو قوت ذائقہ سے معلوم ہوتا ہے۔ بس یہی جواب ہم اس دہریہ کو دیں گے۔ جو کہتا ہے۔ کہ میں خدا کو تب مانونگا جب وہ ان آنکھوں سے نظر آجائے۔ ہم اسے کہیں گے۔ کہ یہ بات ضروری نہیں کہ ہر چیز صرف آنکھ ہی کے دیکھنے سے ثابت ہوتی ہے۔ بلکہ کوئی چیز دیکھنے سے۔ کوئی چکھنے سے۔ کوئی سونگھنے سے۔ اسی طرح خوش آواز اور بدآواز کانوں سے معلوم ہوتی ہے۔ گرمی سردی سختی نرمی چھونے سے غرض کسی چیز کے ماننے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ہمیں نظر بھی آجا دے۔ جیسے کسی چیز کا کڑوا ہونا آنکھ سے معلوم نہیں ہوتا۔ ہاں اس کے لئے قوت ذائقہ کی ضرورت ہے۔ اسی طرح کسی چیز کا گرم سرد ہونا بھی آنکھ سے معلوم نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے قوت لامسہ کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ خدا باوجود اس کے کہ وہ آنکھ سے نظر نہیں آتا۔ پھر موجود ہو۔ جیسا کہ خوشبو اور بدبو اور گرمی اور سردی یہ سب چیزیں دُنیا میں موجود ہیں۔ اور پھر ان آنکھوں سے نظر نہیں آتیں۔ اس لئے دہریوں کا یہ مطالبہ کہ خدا دکھاؤ۔ ایک بیہودہ مطالبہ ہے۔ کیونکہ مختلف چیزوں کے ثبوت کے لئے مختلف ذریعے ہیں کسی چیز کے ثبوت کے لئے آنکھ کی ضرورت ہے۔ اور کسی چیز کے معلوم کرنے کے لئے سونگھنے کی ضرورت ہے۔ اور کوئی چیز چھونے سے ثابت ہوتی ہے ؎

دوسرا ذریعہ یہ تو حواس خمسہ ہوئے۔ اب اس کے آگے چلو۔ دیکھو بعض ایسی چیزیں ہیں۔ جو حواس خمسہ میں سے کسی ایک حواس سے بھی معلوم نہیں ہوتیں بلکہ ان کے معلوم کرنے کا کوئی اور ہی ذریعہ ہے۔ مثلاً محبت غضب۔ عقل۔ فہم۔ قوت وغیرہ یہ سب چیزیں حواس خمسہ کے ذریعہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتیں۔ مثال کے طور پر عقل کو لو۔ نہ تو آنکھ سے نظر آتی ہے۔ نہ سونگھنے سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ اور نہ یہ کوئی آواز ہے جو کانوں سے سنائی دے اور نہ کوئی ایسا جسم ہے۔ جسے چھو کر معلوم کیا جاوے اور نہ اسے زبان ہی سے چکھ سکتے ہیں۔ بلکہ اسے ہم اس کے نتائج اور اثرات سے معلوم کرتے ہیں۔ مثلاً ہم زید کو دیکھتے ہیں۔ کہ وہ ایک کام بڑی عمدگی سے کرتا ہے۔ اور ادھر بکر بھی وہ کام کرتا ہے۔ لیکن بہت بری طرح۔ تو ہم کو زید کے کام اور بکر کے کام پر موازنہ کرنے سے یہ پتہ لگا۔ کہ زید کے دماغ میں کوئی ایسی قوت ہے۔ جس کے ذریعہ زید نے اپنے کام کو عمدگی سے ادا کیا۔ اور بکر کے دماغ میں وہ قوت نہیں جس کے نہ ہونے کی وجہ سے اس سے وہ کام اچھی طرح نہ ہو سکا۔ پھر ہم نے کہا۔ کہ دوسروں کے سمجھانے کیلئے کوئی نام تجویز کرو اور اسی طرح ہم نے اس قوت کا نام عقل رکھا۔ اب دیکھو کہ یہ معلوم کرنا۔ کہ فلاں شخص عقلمند ہے۔ اور فلاں شخص بیوقوف۔ نہ تو آنکھ سے معلوم ہوتا ہے۔ نہ چکھنے سے۔ اور نہ حواس خمسہ میں سے کسی حواس سے بلکہ اس کے معلوم کرنے کا یہی ذریعہ ہے۔ کہ ہم

عقل کے اثرات اور اس کے نتائج سے معلوم کریں گے۔ جب ہم دیکھیں گے ایک شخص مشکل سے مشکل کام کر سکتا ہے اور پیچیدہ سے پیچیدہ امور کو سلجھا سکتا ہے تو ہم کہہ دیں گے کہ اس میں عقل ہے۔ کیونکہ مشکل سے مشکل کام کرنا اور پیچیدہ امور کو سلجھانا یہ عقل کا نتیجہ ہے پس جب ہم نے نتیجہ کا مشاہدہ کیا تو ہمیں اصل چیز کا بھی پتہ لگ گیا۔ اسی طرح ہم ایک دہریہ کو کہتے ہیں۔ کہ اگر خدا تعالیٰ کی ہستی حواس خمسہ سے معلوم نہیں ہوتی تو کوئی حرج نہیں اور نہ یہ ضروری ہے۔ کہ ہر چیز حواس خمسہ سے ہی معلوم ہو۔ بلکہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں۔ جو حواس خمسہ سے تو معلوم نہیں ہوتیں۔ بلکہ اپنے اثرات اور نتائج سے۔ اور انہیں تم بھی مانتے ہو۔ مثلاً عقل کا وجود۔ اسی طرح اگر خدا تعالےٰ کی ہستی کا ثبوت اس کے افعال کے نتائج اور اثرات سے ہم پیش کریں۔ تو بجا ہے۔ اور پھر کسی دہریہ کو اس کے ماننے میں پس و پیش نہ کرنا چاہیئے۔ اور نہ وہ پھر یہ عذر کر سکتا ہے کہ چونکہ خدا کی ہستی مجھے حواس خمسہ سے معلوم نہیں ہوتی۔ اس لئے میں اس کی ہستی تسلیم نہیں کرتا۔ کیونکہ خود دہریئے ایسی چیزوں کا وجود تسلیم کرتے ہیں۔ جنہیں وہ حواس خمسہ کے ذریعہ معلوم نہیں کرتے بلکہ کسی اور ذریعہ سے اس کا وجود ہم پہنچاتے ہیں۔ جیسے عقل و فہم دیکھو عقل کے وجود کو دہریئے بھی مانتے ہیں۔ اس لئے کسی کو عقل مند اور کسی کو بیوقوف کہتے ہیں۔ حالانکہ حواس خمسہ کے ذریعے انہیں عقل کا کوئی ثبوت

نہیں ملا۔ اسی طرح انسان کے جسم میں جو روح ہے۔ وہ ایک ایسی چیز ہے۔ جس کے وجود کا وہ بھی اقرار کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ ایک ایسی چیز ہے۔ جو سونگھنے۔ چھونے۔ دیکھنے میں نہیں آتی۔ اور نہ حواس خمسہ میں سے کسی حواس ہی سے اسے ہم محسوس کر سکتے ہیں۔ ہاں اس کے نتائج اور اثرات کو دیکھ کر ہم اس کے وجود کے قائل ہوتے ہیں۔ مثلاً جب ہم ایک زندہ کو دیکھتے ہیں۔ کہ وہ چلتا ہے۔ پھرتا ہے۔ ہنستا ہے روتا ہے۔ سنتا ہے۔ بولتا ہے اور ادھر ایک مردہ پڑا ہے۔ وہ نہ چلتا پھرتا ہے۔ نہ ہنستا ہے نہ روتا ہے۔ اور نہ سن سکتا ہے۔ اور نہ بول سکتا ہے۔ اس فرق کو دیکھ کر ہم نے معلوم کیا کہ اس زندہ میں ایک ایسی چیز ہے۔ جو بولنے۔ سننے۔ ہنسنے۔ رونے۔ چلنے۔ پھرنے کا موجب ہے۔ اور اس مردہ میں وہ چیز نہیں۔ تب ہی نہ وہ روتا ہے۔ نہ ہنستا اور نہ زندوں کے سے اور ہی کام کر سکتا ہے۔ پھر ہم نے لوگوں کو سمجھانے کے لئے اس کا نام روح تجویز کیا۔ دیکھو روح ایک ایسی چیز ہے۔ جس کو دہریئے بھی تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ حواس خمسہ سے ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ اپنے نتائج اور اثرات سے۔ اس لئے ہم ایک دہریہ کو کہیں گے۔ کہ تمہارا خدا کو دیکھنے کا مطالبہ ایک غلط مطالبہ ہے۔ کیونکہ کسی چیز کے ثبوت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ دیکھی جاوے۔ یا حواس خمسہ کے ذریعہ محسوس کی جاوے۔ بلکہ کبھی ایک چیز کا ثبوت اس کے فعل کے نتائج اور اثرات سے بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ روح

کا وجود نہ دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے۔ اور نہ حواس خمسہ کے ذریعہ بلکہ اپنے اثرات اور نتائج کی وجہ سے۔ اسی طرح اگر ہم ہستی باری تعالیٰ کے افعال اور صفات کے اثرات سے اس کا وجود ثابت کریں۔ تو مان لینے میں مضائقہ نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ تم خود بہت سی ایسی چیزیں مانتے ہو جنہیں تم نے دیکھنے یا حواس خمسہ کے ذریعہ تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ صرف ان کے اثرات اور نتائج سے جیسے زمانہ۔ روح۔ قوت۔ عقل۔ فہم۔ محبت۔ غضب وغیرہ وغیرہ ٭

تیسرا ذریعہ

پھر اس کے بعد کسی شے کے ثبوت کے لئے ایک تیسرا ذریعہ ہے۔ اور وہ سماع یا دوسرے لفظوں میں صادقوں کی شہادت ہے۔ کیونکہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں۔ اور بہت سے ایسے واقعات ہیں۔ جو نہیں نہ حواس خمسہ کے ذریعہ معلوم ہوتے ہیں اور نہ اپنے اثرات اور نتائج سے بلکہ صرف لوگوں کی شہادت سے۔ دیکھو اورنگ زیب کو نہ تو ہم نے دیکھا۔ نہ ہمارے حواس خمسہ نے اسے محسوس کیا۔ اور نہ وہ اپنے اثرات سے ثابت ہوتا ہے بلکہ صرف سماعی شہادت ہے۔ جو نسلاً در نسلاً دیتے آئے۔ اور اس کے وجود کا اقرار اس کے زمانہ سے لیکر اب تک ہر قوم کے ایسے راستباز کرتے چلے آئے ہیں۔ جن کے متعلق ہمارا وہم بھی یہ گمان نہیں کرتا کہ وہ سب جھوٹ بول رہے ہیں۔ اور کسی بات کے معلوم کرنے کا یہ ایک ایسا زبردست ذریعہ ہے۔ کہ اس کو ایک دہریہ بھی تسلیم کرتا ہے۔ کیا کوئی ایسا دہریہ ہے۔ جو اورنگ زیب یا

اکبر کے وجود کا منکر ہو۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ سب کے سب مقر ہیں۔ یہ کیوں؟ صرف اسی لئے کہ راستبازوں کی شہادت پر مجبوراً انسان کو سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے ورنہ علم تاریخ سب کا سب باطل ہو جائیگا۔ اچھا پرانے واقعات کو جانے دو۔ اب جو بڑی عظیم الشان جنگ ہو رہی ہے۔ اور فرانس ایک بڑے معرکہ کا مقام بن رہا ہے۔ لاکھوں کروڑوں ہندوستانی اس مقام سے ہزاروں میل دور ہیں۔ اور انہوں نے جنگ کا نظارہ نہیں دیکھا۔ توپیں چلتی ہوئی نہیں دیکھیں نہ بندوقیں دغتی ہوئی ان کو سنائی دیں۔ لیکن تب بھی سب کو اس جنگ کے وجود کا یقین ہے۔ ان کے علاوہ جس قدر دہریئے ہیں۔ وہ بھی یقین کرتے ہیں۔ کہ فرانس میں جنگ ہو رہی ہے۔ حالانکہ ان کے اصولوں کے مطابق انہیں منکر ہونا چاہیئے۔ کیونکہ انہوں نے لڑائی کا نظارہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا مگر کوئی ایک دہریہ بھی اس جنگ کے وجود کا منکر نہیں۔ صرف اسی لئے کہ سچ بولنے والوں نے شہادت دی کہ واقعہ میں فرانس میں ایک جنگ ہو رہی ہے اسی طرح ہم دہریوں کو کہتے ہیں۔ کہ اگر ہر قوم کے صادق اور راستبازوں کی شہادت خدا کے وجود کے متعلق ہم پیش کریں۔ تو تمہیں اس ہستی کے اقرار کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ کیونکہ جس طرح تم تھوڑے سے راستبازوں کی شہادت پر بڑے بڑے واقعات کا اقرار کرتے ہو۔ اسی طرح اگر دنیا کی ہر قوم کے بڑے بڑے صادق اور راستباز جنہوں نے راستبازی کی خاطر اپنا وطن

جان و مال عزت کی بھی پرواہ نہ کی خدا کے وجود کی شہادت ہیں۔ کہ وہ ہے اور اس نے اپنا وجود ہم پر ظاہر کیا۔ ہم سے باتیں کیں۔ ہمیں بشارتیں دیں۔ جو پوری ہوئیں۔ ہمارے دشمنوں کے متعلق تباہی و بربادی کی پیش از وقت خبر دی۔ جو عین وقت پر پوری ہوئی۔ تو کیا وجہ ہے کہ ایسی زبردست شہادت کا دہریئے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر ایک دہریہ جج ہو۔ اس کی عدالت میں قتل کا مقدمہ درپیش ہو۔ اور دو صادق راستباز حلفی شہادت دیں۔ کہ ہمارے سامنے زید نے بکر کو قتل کیا ہے۔ تو یقیناً وہ دہریہ جج زید کو پھانسی کی سزا دیگا حالانکہ دہریوں کے اصول کے مطابق خود اس جج نے جو قتل کا وقوعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن پھر بھی اسے ضرور پھانسی کی سزا دیگا۔ کیوں؟ صرف اسی لئے کہ دُنیا کا تمام کاروبار صادقوں اور راستبازوں کی شہادت پر چل رہا ہے۔ غرض مذکورہ بالا تین ایسے اصول ہیں۔ جن سے ہم کسی چیز کے وجود کو ثابت کر سکتے ہیں۔

اوّل۔ حواس خمسہ۔

دوم۔ اشیاء کے خواص اور افعال کے نتائج اور اثرات۔

سوم۔ سماع یعنی راستبازوں اور صادقوں کی شہادت۔

یہاں میں نے وہ ذرائع بتائے ہیں۔ جن سے ہم کسی بات کو ثابت کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد میں وہ اعتراض لکھتا ہوں۔ جو ہستی باری تعالیٰ کے عقیدہ پر عام طور پر دہریوں کی طرف سے کئے جاتے ہیں۔ اور ساتھ ہی انکے جوابات بھی۔

اعتراض اوّل۔ چونکہ خدا نظر نہیں آتا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ اس کا وجود

وہم ہی وہم ہے۔ ورنہ اگر واقعہ میں کوئی وجود ہوتا۔ تو ہمیں نظر آتا۔

پہلا جواب۔ دُنیا میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں۔ جو نظر نہیں آتیں۔ اور پھر بھی وہ موجود ہیں۔ جیسے ہوا۔ روح اور زمانہ اور دہریہ بھی اُن چیزوں کے وجود کے مقر ہیں۔

دوسرا جواب۔ اگر خدا لوگوں کو نظر بھی آیا کرتا۔ تب بھی اس کو ہر شخص تسلیم نہ کرتا۔ مثلاً جو لوگ آنکھوں سے بے بہرہ ہیں۔ اور اندھے ہیں۔ وہ کس طرح خدا کو مانتے؟ ہم دہریوں سے پوچھتے ہیں۔ کہ اگر تمہارے مقرر کردہ معیار کے مطابق خدا ان ظاہری آنکھوں سے لوگوں کو نظر آیا کرتا۔ تو جو اندھے ہیں وہ نہ دیکھ سکتے۔ اور اس پر وہ تم سے سوال کرتے۔ کہ چونکہ ہمیں خدا نظر نہیں آتا۔ اس لئے اسے نہیں مانتے۔ تو بتاؤ۔ تم اندھوں کو کیا جواب دیتے۔ یقیناً تم انہیں یہی کہتے۔ کہ خدا تمہیں نظر نہیں آتا۔ لیکن وہ ضرور موجود ہے۔ کیونکہ ہم خدا کے افعال اور ان کے نتائج سے اس کا وجود ثابت کرتے ہیں۔ پس یہی جواب ہم دہریوں کو دیتے ہیں۔ کہ تمہیں وہ نظر نہیں آتا۔ لیکن تب بھی وہ موجود ہے اس کے افعال اور ان کے نتائج سے اس کا وجود ثابت ہوتا ہے غرضیکہ اگر دہریوں کے اصول کے مطابق خدا ان ظاہری آنکھوں سے نظر بھی آیا کرتا۔ تب بھی سب مخلوق اسے تسلیم نہ کرتی۔ کیونکہ اندھے

نابینا اور موتیا بند والے طرح طرح کے امراض چشم میں گرفتار اسے
دیکھ نہ سکتے۔ اس لئے معلوم ہوُا کہ آنکھوں سے نظر آنا ایک ایسا امر
نہیں جس سے ساری دُنیا کی تشفی ہو سکتی۔

جواب سوم۔ اگر وہ ان آنکھوں سے نظر آجاوے اور سب لوگ
اس جاہ وجلال والی ہستی کا مشاہدہ کریں۔ تو پھر دین کا کارخانہ ہی
باطل ہو جاوے۔ اور ایمان بالغیب پر جو ثواب مقرر ہیں۔ وہ ضائع ہو جائیں
ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ان آنکھوں سے وہی چیز نظر آتی ہے
جو کسی خاص سمت پر واقع ہو اور محدود ہو۔ خدا تعالیٰ کی ہستی تو سمتوں
سے پاک ہے۔ کیونکہ سمتیں اور جگہیں تو اس کی مخلوق ہیں۔ اور یہ کس
طرح ہو سکتا ہے۔ مخلوق اپنے خالق کا احاطہ کرلے۔ سو چونکہ خدا
سمتوں کا بھی خالق ہے۔ اس لئے وہ سمتوں سے بھی پاک ہے۔ اور
جب وہ سمتوں سے پاک ہوُا۔ تو آنکھ اُسے دیکھ نہیں سکتی۔ کیونکہ آنکھ
تو اسے ہی دیکھ سکتی ہے جو کسی خاص سمت میں ہو۔ علاوہ ازیں جب
اس کو آنکھ نے دیکھا۔ اور اس کا احاطہ کیا۔ تو وہ محدود ثابت ہوُا
اور محدود ہونا ایک نقص ہے۔ اور خدا نقصوں سے پاک ہے۔ اس لئے
بھی ناممکن ہے۔ کہ وہ ان آنکھوں سے نظر آوے۔ سچ ہے۔ لاتدرکہ
الابصار وھو یدرک الابصار۔

اعتراض دوم۔ اگر خدا کا کوئی وجود ہے۔ اور واقعہ میں ایک ایسی
ہستی ہے۔ جو ہماری خالق اور رازق ہے۔ اور اسی نے نبیوں کو
الہام سے اپنے قوانین اور شریعتوں سے اطلاع دی تو چاہیئے تھا۔
کہ مذاہب میں اختلاف نہ ہوتا۔ بلکہ سب مذہب آپس میں متفق ہوتے۔
کیونکہ ان کے اتارنے والا ایک مانا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ مذاہب میں
بجائے اتفاق کے اختلاف ہے۔ اس لئے معلوم ہوُا۔ کہ الہام وغیرہ
وہم ہے۔ اور خدا کا واقعہ میں کوئی وجود نہیں۔

جواب اوّل۔ مذاہب میں اختلاف ہونے کی وجہ سے یہ ثابت
نہیں ہوتا۔ کہ ان کا بھیجنے والا کوئی نہیں۔ کیونکہ مذہب اور شریعتیں
لوگوں کے لئے بطور نسخے کے ہوتے ہیں۔ جس طرح ایک ہی طبیب
مختلف بیماریوں کی حالت کے مطابق مختلف نسخے تجویز کرتا ہے
اسی طرح خدا تعالیٰ تو ایک ہی ہے۔ لیکن لوگوں کی حالتیں مختلف
ہیں۔ اس لئے ان کے لئے نسخے بھی مختلف تجویز کئے گئے۔ مثلاً
بنی اسرائیل ایک وقت فرعون اور اس کی قوم کی حکومت کے ماتحت ان
کے ظلموں کی وجہ سے ایسے بے غیرت ہو گئے تھے کہ ان میں غیرت اور
خودداری اور عزت کا نام بھی باقی نہیں رہا تھا۔ اور کسی سے بدلہ لینے کی
ان میں ہمت نہ تھی۔ اس وقت خدا نے ایک نسخہ بھیجا۔ اس میں درج تھا۔

کہ تم ہر شرارت کا انتقام لو۔ کان کے بدلے کان۔ ناک کے بدلے ناک آنکھ کے بدلے آنکھ۔ غرض اس طرح پُر زور تحریکوں سے اُن میں جوش انتقام پیدا کیا۔ پھر جب ۱۴ سو برس کا لمبا عرصہ گذر گیا۔ اور حضرت عیسےؑ کا وقت آیا۔ اس وقت یہودی نہایت انتقام گیر اور کینہ توز ہو گئے تھے۔ اس لئے ان کے لئے جو نسخہ آیا۔ اس میں درج تھا۔ کہ اگر کوئی شخص تیرے دہنے گال پر تھپڑ مارے تو بایاں گال بھی اس کے آگے کر دے۔ اس کے بعد جب ایسے وسائل پیدا ہونے لگے۔ اور وہ زمانہ آگیا کہ دنیا کے لوگ دور دراز ملکوں سے آپس میں ملنے لگے۔ تب ایک مکمل نسخہ آیا۔ جس کی موجودگی میں کسی اور نسخہ کی ضرورت نہ رہی۔ یہیں نسخہ لکھنے والے حکیم مطلق نے لکھا۔ کہ انتقام کے موقعہ پر انتقام لو۔ اور جہاں عفو کا موقعہ ہو وہاں عفو سے کام لو۔ غرض مذاہب میں اختلاف سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ کہ وہ ایک سرچشمہ سے نہیں نکلے۔ بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں کی طبیعتوں اور حالتوں میں اختلاف ہے۔ تبھی طبیب نے مختلف مریضوں کے لئے مختلف نسخے تجویز کئے۔ ایک طبیب کے پاس ایک ایسا شخص آئے۔ جسے قبض کی شکایت ہو گی۔ تو وہ طبیب نسخہ میں ایسی دوائیاں تجویز کرے گا کہ جو قبض کشا ہوں۔ اس کے بعد جب اسہال کا مریض آئیگا تب وہی طبیب نسخہ میں ایسی دوائیاں تجویز کریگا۔ جو قبض پیدا کرنیوالی

ہوں گی۔ گویا ان دو مختلف نسخوں کو دیکھکر کوئی دہریہ کہے گا۔ کہ ان کا لکھنے والا ایک نہیں ہو سکتا۔ ہر گز نہیں۔ بلکہ وہ کہے گا۔ کہ لکھنے والا تو ایک ہی ہے لیکن مریض دو ہیں۔ اس طرح ہم بھی کہتے ہیں۔ بھیجنے والا ایک ہی ہے۔ لیکن نسخوں میں اختلاف اس لئے ہے۔ کہ قوموں کی حالتیں مختلف ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جاوے۔ اور چھان بین کی جاوے۔ تو دنیا میں جس قدر مذاہب ہیں۔ اصل میں وہ سب متفق ہیں۔ اور سب ایک اصول پر مجتمع ہیں اور جو اختلاف ہم کو نظر آتا ہے۔ وہ بعد میں آنے والوں کی ملاوٹ اور تحریف کا نتیجہ ہے۔ حضرت موسیٰ بھی توحید لے کر آئے۔ اور حضرت عیسےؑ بھی خدا منوانے کے لئے دُنیا میں تشریف فرما ہوئے۔ یہ صرف پچھلوں کی مہربانی تھی۔ کہ تثلیث اور کفارہ اور الوہیت کا عقیدہ بنالیا۔ ورنہ نص انجیل سے یہ باتیں ثابت نہیں ہوتیں۔ ان کے بعد اسلام آیا۔ وہ دونوں مذہبوں کا مصدق بن کر آیا۔ غرض تمام مذہب آپس میں متفق ہیں۔ اور اصول کے لحاظ سے بالکل ایک ہیں۔ ہاں اگر فروع میں کہیں کہیں کوئی فرق نظر آتا ہے۔ تو وہ قوموں کی حالتوں کی وجہ سے ہے۔

اعتراض سوم۔ اگر کوئی خدا ہوتا۔ تو دنیا میں یہ تفرقہ نہ ہوتا۔ کہ کوئی غریب ہے اور کوئی امیر۔ کوئی مریض ہے۔ اور کوئی تندرست۔ کوئی

"کمزور اور کوئی طاقت ور"۔

جواب اوّل:- یہ اعتراض تو ایسا ہے۔ جیساکہ ہندوستان کا کوئی حاکم نہیں۔ کیونکہ یہاں تفرقہ ہے۔ کوئی ڈپٹی کمشنر ہے۔ کوئی لفٹنٹ گورنر۔ اور کوئی گورنر۔ کیا یہ استدلال کسی صحیح العقل انسان کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔

جواب دوم:- اصل میں تفرقہ کے بانی چند آدمی ہی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے سورج۔ چاند۔ ہوا۔ پانی وغیرہ تمام چیزیں جن پر زندگی کا مدار ہے۔ سب کو یکساں طور پر دی ہیں۔ اور پھر ترقی کرنے کے اصول اور قوانین مقرر کر دئے ہیں۔ ایک شخص ان قانونوں پر عمل کرتا ہے۔ وہ ترقی کر جاتا ہے۔ دوسرا شخص غفلت سے کام لیتا ہے۔ وہ ان قواعد پر عمل پیرا نہیں ہوتا۔ اور اس طور پر ترقی سے محروم رہ جاتا ہے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے۔ جیساکہ گورنمنٹ نے سکول اور کالج کھولے ہوئے ہیں اور عام اجازت دی ہوئی ہے کہ جو شخص چاہے۔ وہ ان میں داخل ہو جائے۔ اب ایک شخص اپنے بیٹے کو مدرسہ میں داخل کراتا ہے۔ اور تعلیم وغیرہ کی نگرانی کرتا ہے۔ اس بات کا نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ اس کا لڑکا ایک مدت مقررہ کے بعد ایم اے ہو جاتا ہے۔ لیکن ایک دوسرا شخص باوجود گورنمنٹ کے اعلان کے سستی کرتا ہے۔ اور اپنے

لڑکے کو سکول میں داخل نہیں کراتا۔ اور آوارہ پھرنے دیتا ہے۔ اس کا یہ نتیجہ ہوگا۔ کہ اس کے پڑھنے کی عمر گذر جائے گی۔ اور وہ ایم اے نہ ہو سکے گا۔ اب ان دونوں شخصوں کی حالتوں میں تفرقہ ہے۔ لیکن اس تفرقہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ گورنمنٹ کا کوئی قصور ہے۔ بلکہ سراسر قصور اس دوسرے غفلت کرنے والے شخص کا ہے۔ اسی طرح اگر دنیا میں لوگوں کی حالتوں میں تفرقہ ہے۔ تو اس کے یہ معنے نہیں کہ کوئی ایک خالق نہیں۔ یا یہ کہ وہ بخیل اور ظالم ہے۔ بلکہ اس تفرقہ کے ذمہ دار سراسر انسان ہیں۔

تیسرا جواب:- دنیا میں ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ایک افسر کے ماتحت مختلف ملازم ہوتے ہیں۔ پھر کچھ ان میں سے اعلےٰ کچھ ادنےٰ پھر کوئی کسی کام پر اور کوئی کسی کام پر۔ اگر ایک باورچی خانہ کا داروغہ ہے۔ تو دوسرا باغ کا مالی۔ اسی طرح اس کے اصطبل میں مختلف جانور ہوں گے۔ ایک دس ہزار کا گھوڑا تو ایک دس بیس روپیہ کا گھاس لادنے والا گدھا۔ لیکن باوجود ان مختلف حیثیتوں کے اور باوجود ایسے بیّن تفرقہ کے پھر ان کا مالک ایک ہی ہے۔ اسی طرح اگر مخلوقات میں تفرقہ ہو۔ تو خالق اور مالک کے ایک ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ پھر دیکھو ایک ہی درخت ہے اس میں مختلف چیزیں ہیں۔ پتے ہیں۔ پھول ہیں۔ پھل ہیں۔ شاخیں ہیں

ڈالیاں ہیں۔ لکڑی ہے۔ لیکن باوجود ان تفرقوں کے وہ درخت ایک ہی ہے۔

اعتراض چہارم۔ جو لوگ خدا کے وجود کا اقرار کرتے ہیں۔ وہ بھی گناہ کرتے ہیں۔ اور بہت سے ایسے لوگ جو خدا کے وجود کے منکر ہیں۔ وہ نسبتاً بہت سے ایسے لوگوں سے جو خدا کی ہستی کے قائل ہیں۔ زیادہ نیک ہیں۔ اگر خدا ہے تو اس کے قائل کیوں گناہ سے نہیں بچتے۔

جواب اوّل:۔ اگر نافرمانی سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا نہیں ہے۔ تو یہ تو ایسی بات ہوئی جیسے کوئی شخص کہے کہ چونکہ ہندوستان میں بہت سے لوگ چوری کرتے اور ڈاکے ڈالتے ہیں۔ اسلئے معلوم ہوا۔ کہ ہندوستان میں کوئی حاکم نہیں ہے یا یہ کہ چوری کرنیوالے لوگوں کے نزدیک ہند میں کوئی حاکم نہیں۔ حالانکہ یہ بات بالبداہت غلط ہے۔ دنیا میں چوری کرنے والے چوری کرتے ہیں۔ اور وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ فلاں شخص ہمارا حاکم ہے اور فلاں شخص اس ملک کا بادشاہ ہے۔ لیکن پھر حرص و طمع کیوجہ سے وہ چوری کرتے ہیں۔ اسی طرح بہت سے لوگ گناہ کرتے ہیں۔ تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ خدا کی ہستی نہیں۔

جواب دوم:۔ یہ کہنا کہ خدا پر ایمان لاکر لوگ گناہ کرتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ منہ سے کہنا۔ کہ ہم خدا کو مانتے ہیں۔ یہ اور بات ہے۔ اس سے

یہ ثابت نہیں ہوتا کہ واقعہ میں ان کے دل میں بھی ایمان ہے۔ اس لئے اگر ایسا شخص جو منہ سے کہتا ہے۔ کہ میں خدا کو مانتا ہوں۔ اور پھر وہ صریحاً نافرمانی کرتا ہے۔ تو واقعہ میں اس کے دل میں حقیقی اور کامل ایمان نہیں بلکہ اس کے ایمان میں ضعف ہے۔

جواب سوم:۔ یہ کہنا۔ کہ بہت سے دہریہ نیک ہیں۔ حالانکہ وہ خدا کو نہیں مانتے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ خدا کوئی نہیں۔ ایک بالکل غلط استدلال ہے۔ کیونکہ جس طرح ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ اپنے بندوں کی ہدایت کیلئے الہام نازل کرتا ہے۔ اسی طرح ہمارا مذہب ہے کہ اس نے بندوں کی فطرت میں ایک حد تک نیکی کا وجود رکھا ہے۔ سو جو دہریے قدرے نیکی کا کام کرتے ہیں وہ بھی خدا ہی کے فضل سے۔ کیونکہ نیکی کا تخم ان کی فطرت میں اس نے اپنے ہاتھ سے بو دیا۔

جواب چہارم:۔ یہ کہنا کہ دہریئے بھی نیک ہوتے ہیں۔ ایک غلط بات ہے۔ کیونکہ نیکی کہتے ہیں۔ بادشاہ ملک اور حاکم وقت کے قوانین پر چلنے کو۔ تو جو شخص سرے سے ہی مقنن اور بادشاہ کا ہی منکر اور اس سے باغی ہو۔ وہ کس طرح نیک کہلا سکتا ہے۔ اور اسے کس طرح قوانین پر چلنے والا کہیں گے کیا ایک ہندوستانی جو وائسرائے اور حضور جارج پنجم کو تسلیم نہ کرے اور ان سے باغی ہو۔ اس کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں؟ کہ یہ قوانین مروجہ اور قواعد

سلطنت کا بڑا فرمانبردار ہے ہرگز نہیں۔ اسی طرح جو شخص خالق و رازق ہی سے باغی ہو۔ وہ بظاہر ہزار نیک کام کرے۔ کبھی نیک کہلانے کا مستحق نہیں۔

سوال پنجم:۔ اگر خدا ہے۔ تو کہاں ہے؟ اور کب سے ہے؟

جواب اوّل:۔ یہ سوال ہی مہمل ہے۔ کیونکہ کب زمانہ کا نام ہے۔ اور کہاں مکان کا اور زمانہ اور مکان۔ خود دونوں مخلوق چیزیں ہیں۔ وہ خدا پر حادی کس طرح ہو سکتی ہیں۔ تو جب کہ مکان اور زمانہ خود حادثات ہیں۔ تو ان میں قدیم کا محدود ہونا محال ہے۔

جواب دوم:۔ اسی طرح ہم دہریوں سے پوچھتے ہیں کہ دنیا کب سے ہے۔ اگر وہ کہیں کہ قدیم سے تو ہم کہیں گے۔ کہ خدا بھی قدیم سے۔ اگر وہ کہینگے کہ دنیا فلاں زمانہ سے ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ بس تم نے اقرار کر لیا۔ کہ دنیا قدیم سے نہیں۔ بلکہ حادث ہے۔ تو بتاؤ اس حادث کا محدث کون ہے؟

اب میں وہ دلائل لکھتا ہوں جن سے ہم دہریوں پر خدا کے فضل سے ہستی باری تعالیٰ کو پایۂ ثبوت تک پہنچا کر حجت پوری کر سکتے ہیں۔ وما توفیقی الّا باللہ العلی العظیم۔

دلیل اوّل:۔ دنیا میں جس قدر قومیں آباد ہیں۔ خواہ وہ متمدن ہوں یا غیر متمدن۔ تعلیم یافتہ ہوں یا جاہل۔ آباد ملکوں میں زندگی بسر کرنیوالی ہوں یا غیر آباد جزیروں اور غیر آباد ٹاپوؤں میں۔ ان سب کا متفق علیہ مسئلہ اگر کوئی

ہو سکتا ہے۔ تو وہ کامل مقتدر ہستی کا ماننا ہے۔ دنیا میں جس قدر مذاہب رائج ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ وہ سچے ہیں یا جھوٹے۔ ان سب کا اصل اصول اعتقاد اگر کوئی ہو سکتا ہے۔ تو وہ ذات باری کا وجود باوجود ہے۔ دنیا کے کسی گوشہ میں چلے جاؤ۔ کرۂ ارض کے کسی قطعہ پر نظر ڈالو۔ کوئی قوم ایسی نہیں۔ جو اس کامل ہستی کی منکر ہو۔ دنیا کی ایک قوم کی عادتیں دوسری قوم کی عادتوں کے مخالف ہیں۔ ایک کے قوانین دوسری کے قوانین کے مغائر ہیں۔ ایک کا مذاق دوسری کے مذاق کے خلاف ہے۔ لیکن اس عقیدہ میں تمام قومیں متفق ہیں۔ کہ کوئی نہ کوئی ہمارا پیدا کرنے والا اور ہماری ربوبیّت کرنے والا ضرور موجود ہے۔ اسی صداقت کو قرآن کریم بیان فرماتا ہے ولئن سألتھم من خلق السمٰوات والارض لیقولن اللہ۔ یعنی اگر دنیا کے لوگوں سے پوچھو کہ تمہارا پیدا کرنے والا کون ہے۔ تو فوراً بول اٹھیں گے۔ کہ ہمارا خالق اللہ ہے۔ اس عظیم الشان اتفاق اور لے بینظیر اجماع کی وجہ صرف فطرت کی گواہی ہے۔ کیونکہ ہر ایک انسان کی فطرت اور اس کی سلیم کانشنس اس کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اس شہادت کا اقرار کرے۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے۔ الست بربکم قالوا بلٰی یعنی انسان کی فطرت ہر وقت پکار پکار کر کہہ رہی ہے۔ کہ ایک ایسی ہستی ضرور موجود ہے جو میری ربوبیت کر رہی ہے۔ بلکہ ایک صحیح الفطرت انسان ایک لمحہ کیلئے بھی اس بات کا وہم و گمان نہیں کر سکتا۔ کہ وہ ایک حاکم کے بغیر زندگی بسر کر رہا ہے۔ چنانچہ

خالقِ فطرت کا کلام فرماتا ہے۔ افی اللہ شکٌ فاطر السمٰوٰت والارض یعنی فطرت صحیحہ حیرانی سے ظاہر کرتی ہے۔ کہ کیا خدا کے وجود میں بھی کوئی شک کر سکتا ہے۔ غرض ہستی باری تعالیٰ کی پہلی دلیل یہ ہے کہ دنیا میں جس قدر قومیں ہیں وہ سب خدا تعالےٰ کے وجود کی مقر ہیں۔ حالانکہ آپس میں ہر بات میں مختلف ہیں اور نہ ایسے وسائل ہی تھے۔ کہ وہ قومیں آپس میں ملکر تبادلہ خیالات کر کے ایک عقیدہ پر متفق ہو جائیں۔ سو وہ چونکہ سب اس عقیدہ پر متفق ہیں اس لئے یہ بات دلالت کرتی ہے کہ انسان کی فطرت میں یہ عقیدہ ودیعت ہے۔ ورنہ اگر فطرت میں نہ ہوتا۔ بلکہ خارجی محرک اس کا موجب ہوتے تو یہ اتفاق نہ ہوتا۔ کیونکہ نہ وہ قومیں آپس میں ملیں نہ ان کا تبادلہ خیالات ہوا۔ کوئی امریکہ میں ہے۔ اور کوئی افریقہ میں۔ کوئی ہندوستان میں ہے۔ تو کوئی یورپ میں۔ نہ آج کی طرح ریل و تار وڈاکخانے تھے۔ اس لئے باوجود ظاہری محرک کے نہ ہونے کے اور آپس کے میل ملاپ کے بغیر ان کا اس عقیدہ پر متفق ہونا دلالت کرتا ہے کہ یہ عقیدہ فطرت میں رکھا گیا ہے اور جب فطرت میں یہ بات ودیعت ہے تو معلوم ہوا کہ خالق فطرت نے رکھا اور اسی کو ہم خدا کہتے ہیں۔

دلیل دوم: بہت سی باتیں ہم صرف سن کر مانتے ہیں۔ مثلاً لندن میں ہم کبھی نہیں گئے۔ لیکن جب لوگوں سے سنا۔ اور قابل اعتبار لوگوں نے ہمارے سامنے اسکے وجود کی شہادت دی۔ تو ہمیں اس کے موجود ہونے کا یقین ہو گیا۔ اس لئے کہ وہ

لوگ کہ جن کو جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں۔ جو ہمارے خیال میں سچ بولنے کے عادی ہیں۔ وہ گواہی دیتے ہیں۔ کہ ہم نے اس شہر کو دیکھا۔ سو جب معمولی دنیاداروں کے کہنے سے ہم لنڈن کے وجود کے قائل ہو گئے۔ تو کیا وجہ کہ ہم تمام دنیا کے راستبازوں اور صادقوں کی متفقہ شہادت سے انکار کریں اور ان کو جھٹلا دیں۔ اور راستباز بھی وہ راستباز جنہوں نے راستی کی خاطر اپنی جان دیدی لیکن سچ کہنے سے منہ نہ موڑا اپنے مال کو متاع کو اپنی آنکھوں کے سامنے لٹتے دیکھا۔ لیکن صداقت کو ہاتھ سے نہ دیا۔ ان کے بیوی بچے اور رشتہ دار ان کی آنکھوں کے سامنے ذبح کئے گئے۔ لیکن ان کا قدم نہ ڈگمگایا وہ سب متفق ہو کر اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ یقیناً ایک وراء الوراء ہستی موجود ہے۔ اور وہ ہم پر خاص طور پر ظاہر ہوئی۔ اور اس نے ہم سے تعلق پیدا کیا۔ دیکھو قتل جیسے اہم معاملہ میں صرف دو تین قابل اعتبار آدمیوں کی گواہی پر ایک شخص کو پھانسی دیدی جاتی ہے۔ اور صرف چند بھلے مانس آدمیوں کی شہادت پر ایک شخص کو جان سے مار دیا جاتا ہے۔ تو کیوں اس گواہی کو رد کیا جائے۔ جو تمام دُنیا کے راستبازوں کی طرف سے ہمارے سامنے پیش کی جاتی ہے۔

دنیا کے ابتدا کیطرف جاؤ۔ ابوالبشر آدم صفی اللہ ربنا ظلمنا انفسنا کہہ کر خدا کے وجود کی گواہی دیتے ہیں۔ پھر پارسیوں کو لو۔ ان کے نبی بھی خدا کے وجود کی شہادت دے رہے ہیں۔ پھر ویدرشیوں کو دیکھتے ہیں۔ تو وہ بھی اس بات

کے شاہد ہیں۔ کہ ایک وراء الوراء ہستی ہے۔ پھر یہودیوں اور عیسائیوں کے راستباز بھی اسی پر متفق نظر آتے ہیں۔ پھر سب کے بعد خیر الانس والجان نے بھی دُنیا کے سامنے یہی شہادت پیش کی۔ اب کیا ہم ان تمام راستبازوں کی گواہی کو رد کر دیں ہرگز نہیں۔ ہمیں سوائے تسلیم کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں۔ غرضیکہ تمام دنیا کی مختلف قوموں کے راستبازوں کا متفق ہو کر خدا کے وجود کا اقرار کرنا اس کے واقعہ میں موجود ہونے کا ایک بڑا بھاری ثبوت ہے۔

تیسری دلیل:۔ خدا تعالےٰ کی ہستی کی تیسری دلیل دُعا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ واذا سألك عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوالی ولیؤمنوابی لعلھم یرشدون یعنی جب میرے بندے میری ہستی کی کوئی دلیل تجھ سے پوچھیں۔ تو تو ان سے کہدے کہ خدا تعالےٰ کے وجود کی ایک زبردست دلیل یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کی دعائیں سنتا ہے اور اس کے پیارے بندے جب مشکلات میں گھر جاتے ہیں تمام دنیا ان کی دشمن ہو جاتی ہے۔ ظاہری سامان اور اسباب ان کے مخالف ہو تے ہیں۔ اور مصیبتوں سے مخلصی کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ لیکن جب وہ بندہ ایسی حالت میں اپنے مولیٰ سے دعا کرتا ہے اور اس کے حضور گڑگڑاتا ہے۔ اور اس کے آگے اپنی مصیبتوں کا اظہار کرتا ہے۔ تو معاً حالت بدل جاتی ہے۔ جب دشمن ہلاک ہو جاتے ہیں۔ ان کی سب شرارتیں رک جاتی ہیں۔ تمام مصیبتوں کا خاتمہ ہو

جاتا ہے۔ اب بتاؤ۔ کہ اگر کوئی قادر مقتدر ہستی نہیں۔ اور کسی وراء الوریٰ ذات کا وجود موجود نہیں تو ان مصیبتوں میں گھرے ہوئے بندوں کی مصیبتوں کو کس نے دور کیا۔ اگر کہو کہ اسباب نے تو یہ تو غلط ہے۔ کیونکہ ظاہری اسباب تو ان کے مخالف ہوتے ہیں۔ دیکھو حضرت نوحؑ اکیلے ہیں۔ ساری قوم مخالف ہے۔ وہ تکلیفیں دیتی ہے۔ اور کوئی مددگار نہیں۔ نہ آپ کے پاس حکومت ہے۔ جس کے ذریعہ دشمنوں کو روکیں۔ ہر طرف سے مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں۔ لیکن ایک دفعہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں۔ رب انی مغلوبٌ فانتصر یعنی اے میرے رب میری مدد کر۔ اب بتاؤ۔ کیا یہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ کیا انکی قوم تباہ نہیں ہوئی کیا حضرت نوحؑ اور ان کے ساتھی مصیبتوں سے رہا نہیں ہوئے؟ ہوئے اور ضرور ہوئے۔ پھر بتاؤ کہ اگر کوئی قادر مقتدر ہستی نہیں تو حضرت نوحؑ کی کس نے مدد کی۔ پھر حضرت ابراہیمؑ کی دعا کو دیکھو وہ عرض کرتے ہیں۔ ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاتك ویعلمھم الکتاب والحکمۃ یعنی اے میرے خدا ملک عرب کے رہنے والوں میں ایک نبی مبعوث فرما۔ جو تیری آیتیں ان کے سامنے پڑھے اور کتاب اور حکمت انہیں سکھاتے۔ لیکن ملک عرب کی حالت دیکھو۔ سب گنوار جاہل۔ اجڈ۔ بات بات پر لڑ مرنے والے۔ نہایت کندہ ناتراش ہیں۔ ایک شخص بھی اس قابل نہیں۔ کہ وہ ابراہیمی دعا کا مصداق بن سکے۔ مگر ابراہیم کی دعا سنی گئی۔ اور دو ہزار برس بعد انہیں نالائقوں میں سے ایک لائق پیدا ہوا۔ اور امی ہو کر سب عالموں سے بڑھ گیا۔ اور ابراہیمؑ کی دعا قبول ہو گئی۔ اور یہ خارق

عادت طور پر دُعا کا قبول ہونا ہی دلالت کرتا ہے۔ کہ ایک با اقتدار دعاؤں کے سننے اور قبول کرنے والی ہستی موجود ہے۔

پھر حضرت مسیحؑ ناصری کی دعا کو دیکھو۔ وہ ساری رات دعا کرتے ہیں۔ کہ الٰہی یہ موت کا پیالہ مجھ سے ٹال دے اور ادھر یہودی مخالف ہیں۔ عدالت قتل کا فتویٰ دیتی ہے۔ کوئی سامان موجود نہیں۔ مگر صادق راستباز کی دُعا ضائع نہیں گئی۔ خدا تعالیٰ نے مسیحؑ کو بچا لیا۔ اور صلیب پر لٹکنے کے دو تین گھنٹے کے بعد آندھی آگئی۔ دوسرے دن سبت تھا۔ پلاطوس کو رحم آگیا۔ اس کی بیوی کے پاس خواب میں مسیحؑ کی سفارش کرنے کے لیے فرشتہ آیا۔ ساتھ کے چوروں کی ہڈیاں توڑی جاتی ہیں۔ لیکن مسیحؑ اس مصیبت سے بچ رہتا ہے۔ پھر نیم مردہ لاش بھی یہودیوں کے ہاتھ نہیں آتی۔ بلکہ ایک خیر خواہ شاگرد کو ملتی ہے۔ اور اس طرح مسیحؑ اس لعنتی موت سے بچ جاتے ہیں۔ اور اُن کی دعا قبول ہوتی ہے۔ بھلا بتاؤ کیا مسیحؑ کی یہ دعا اور اس کی قبولیت خدا تعالےٰ کی ہستی کی ایک دلیل نہیں۔

پھر رسول کریمؐ کے حالات پر غور کرو۔ مدنی زندگی اور صحابہ کی قلت دشمن کی کثرت پر نظر ڈالو۔ دشمن بڑے فخر اور تکبر کے ساتھ ایک بڑی جماعت اور سامان لیکر چڑھائی کرتا ہے۔ ادھر آپ کے پاس نہ جمعیت نہ سامان۔ بدر کے مقام پر دونوں گروہوں کا مقابلہ ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی فتح کی کوئی سبیل نہیں لیکن رسول کریمؐ ایک بیت الدعا بنا کر اس میں بڑے عجز و انکسار سے خدا کے حضور

دعا کرتے ہیں اور ایسی تڑپ سے دعا کرتے ہیں۔ کہ وہ خونخوار دشمن تباہ ہو جاتا ہے اور وہ بے سرو سامان جماعت فاتح ہو جاتی ہے۔ کیا یہ دعا کا نتیجہ نہیں؟ اگر ہے تو ذرا خیال کرو۔ کہ اگر کوئی علیٰ کل شئی قدیر ہستی نہیں ہے۔ تو یہ تبدیلیاں کس کے دست تصرف سے ظہور پذیر ہوئیں۔ پھر آج مسیح موعود کا زمانہ تو آپ کی دعاؤں کو دیکھو۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں دعائیں پوری ہوئیں۔ قریب المرگ بیمار صرف ایک ہی دُعا سے از سر نو زندہ ہوئے۔ مصیبتوں بلاؤں اور مقدموں میں گرفتار لوگ جن کی مخلصی کی کوئی راہ نظر نہیں آتی تھی۔ محض آپ کی دعا سے اپنی تمام مشکلات سے صاف نکل آئے۔ دشمن برباد ہوئے۔ اور دوست شاد۔ پنڈت لیکھرام کا مارا جانا۔ سگ گزیدہ عبد الکریم کا بچ جانا۔ طاعون کا پنجاب میں پھوٹنا۔ آپ کا مقدموں میں فتح پانا۔ کیا یہ قبول شدہ دعاؤں کے نمونے نہیں؟ اور کیا دُعا کی قبولیت خدا تعالیٰ کی ہستی پر دلالت نہیں کرتی؟ کرتی ہے اور ضرور کرتی ہے۔

چوتھی دلیل۔ چوتھی دلیل خدا کی ہستی کی یہ ہے۔ کہ جن لوگوں نے دعویٰ کیا۔ کہ خدا ہے۔ وہ ضرور کامیاب ہوئے۔ اور جن لوگوں نے انکار کیا وہ خائب و خاسر رہے۔ اگر خدا نہ ہوتا۔ تو یہ تفرقہ کیوں ہوتا۔ یہ بات صرف دعوے کے رنگ میں نہیں۔ بلکہ واقعات پر اس کی بنا ہے۔ دیکھو حضرت ابراہیمؑ نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ کہ خدا ہے۔ نمرود نے انکار کیا۔ اور ابراہیمؑ کا مقابلہ کیا۔ اور دنیا نے

دیکھ لیا۔ کہ ابراہیمؑ کامیاب اور نمرود ناکام رہا۔ پھر موسیٰؑ کی حالت کا مشاہدہ کرو وہ فرعون جیسے جبار بادشاہ کے پُرہیبت دربار میں دعوے کرتے ہیں۔ کہ خدا ہے۔ مگر فرعون انا ربکم الاعلیٰ کہہ کر انکار کرتا ہے۔ پھر جو نتیجہ نکلا وہ دُنیا جانتی ہے۔ پھر حضرت عیسےٰؑ کا زمانہ آیا۔ آپ بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی کو پیش کرنے دنیا میں آئے۔ یہود نے آپ کی تکذیب کی۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ آج یہودی دنیا میں تمام قوموں سے ذلیل و خوار ہیں۔ ایک چپہ زمین بھی اُن کے قبضہ میں نہیں پھر سب کے سردار خیرالرسلؐ کی باری آئی۔ آپ نے مکّہ والوں کے سامنے خدا کا وجود پیش کیا۔ لیکن بدبختوں نے انکار کیا۔ اور سب کے لیڈر رئیس الوادی ابوالحکم نے مقابلہ کیا۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ کس طرح تباہ ہُوا۔ اور ابوالحکم سے ابوجہل بن گیا۔ پھر مسیح موعودؑ کا دور آیا۔ اور تمہاری آنکھوں کے سامنے اس نے دنیا کو پکارا لیکن مولویوں نے مخالفت کی اور اہلحدیث کا ایڈووکیٹ اُن کا سرکردہ بنا۔ لیکن کیا مخالف کامیاب ہوئے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ناکام رہے۔ اور مسیح موعودؑ کامیاب ہُوا۔

غرض تمام وہ صادق راستباز جو خدا کے وجود کا اقرار کرنے والے تھے کامیاب ہوئے اور تمام مخالف ناکام اور یہ بات خدا تعالیٰ کی ہستی کا ایک بڑا بھاری ثبوت ہے۔ اس دلیل کو اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں اس طرح بیان فرماتا ہے۔ ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین انھم لھم المنصورون

وان جندنا لھم الغالبون۔ اور ایک مقام پر فرمایا۔ کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی۔

پانچویں دلیل۔ پانچویں دلیل ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت میں قرآن مجید ان لفظوں میں بیان فرماتا ہے۔ لا یعلم الغیب الا اللہ یعنی علم غیب ایک ایسا علم ہے جو دنیا میں کسی انسان کو معلوم نہیں۔ اور آئندہ ہونے والے واقعات سے روئے زمین پر کوئی شخص واقف نہیں۔ اور واقعہ میں اگر انسان غور کرے تو اسی نتیجہ پر پہنچے گا۔ کہ جو باتیں ابھی ظہور میں نہیں آئیں۔ ان سے کوئی شخص آگاہ نہیں۔ اور انسان تو یہ بھی نہیں جانتا کہ کل کیا ہونیوالا ہے۔ اور پرسوں اس پر کیا مصیبت پڑنیوالی ہے۔ غرض آئندہ کا حال کوئی نہیں جانتا اور مستقبل کے واقعات کسی کو معلوم نہیں۔ لیکن باوجود اس کے پھر ہم دُنیا میں دیکھتے ہیں کہ جن راستبازوں نے نبوت کا دعوےٰ کیا اور خدا کی طرف سے آنے کے مدعی ہوئے۔ وہ بعض خبریں قبل از وقت دیتے رہے اور وہ واقعہ کے مطابق پوری بھی ہوتی رہیں۔ حالانکہ یہ مسلم امر ہے۔ کہ کوئی انسان آئندہ کی خبریں معلوم نہیں کر سکتا۔ تو اب ہم نبیوں کے معاملہ میں غور کرنے سے اس نتیجہ تک پہنچے۔ کہ وہ بھی ہم جیسے انسان تھے۔ وہ بھی آئندہ کے واقعات سے ہماری طرح محض لاعلم تھے۔ لیکن یہ جو غیب کی بہت سی اہم خبریں قبل از وقت وہ دنیا پر ظاہر کرتے رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بکل شیئ علیم ہستی ہے۔ جو انہیں خاص

طور پر ان پیش آنیوالے واقعات سے مطلع کرتی رہی ہے۔ اس بات کو قرآن حکیم اس طرح پر بیان فرماتا ہے۔ لا یظہر علی غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول۔ یعنی نبیوں اور رسولوں پر جو غیب کی خبریں منکشف ہوتی ہیں۔ یہ اُن کی ذاتی خوبی نہیں۔ بلکہ ایک وراء الورٰی ہستی ہے۔ جو ان کو قبل از وقت واقعات سے مطلع کرتی ہے۔ غرض نبیوں کا پیشگوئیاں شائع کرنا اور بڑے بڑے اہم واقعات کا قبل از وقت بیان کر دینا اور پھر وقت پر ان باتوں کا پورا ہو جانا۔ خدا تعالےٰ کی ہستی کی ایک بڑی زبردست دلیل ہے۔ دیکھو حضرت موسےٰؑ کے ذریعہ ایک پیشگوئی شائع کی جاتی ہے۔ کہ مَیں تیرے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی پیدا کروں گا۔ اور ٹھیک دو ہزار برس بعد یہ پیشگوئی پوری ہوتی ہے۔ اور اس بات پر مہر لگاتی ہے۔ کہ حضرت موسےٰؑ کا تعلق یقیناً ایک ایسی ہستی سے تھا۔ جو عالم الغیب ہے۔ پھر حضرت عیسےٰؑ کا فرمانا مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمدؐ اپنے وقت پر کس وضاحت سے پورا ہُوا۔ اور پیشگوئی کے پورا ہونے نے ایک ثبوت قائم کر دیا۔ کہ مسیح ناصریؑ کا ایک وراء الورٰی وجود سے تعلق تھا۔ اور اسی نے انہیں آئندہ ہونے والے واقعات سے مطلع کیا۔ پھر رسول کریمؐ نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا اور آپ نے سینکڑوں باتیں قبل از وقت دنیا پر ظاہر کیں اور وہ اپنے وقت پر پوری ہوئیں۔ الٓمّٓ غلبت الروم کا ملاحظہ کرو۔ پھر دجال۔ یاجوج ماجوج کی پیشگوئی آج ہمارے سامنے پوری

ہو رہی ہیں۔ اور دجال کا گدھا تیرہ سو برس کے بعد ہمارے زمانہ میں نمودار ہوتا ہے۔ پھر کتابوں کا پھیلنا۔ دریاؤں کا پھاڑا جانا۔ اونٹوں کا بیکار ہونا۔ مسیح و مہدی کا آنا۔ دجال کا قتل ہونا۔ صلیب کا دلائل سے توڑا جانا۔ یہ سب ایسی باتیں ہیں۔ جو ہماری آنکھوں نے دیکھی ہیں۔ اور یہ سب کی سب پکار پکار کر عالم الغیب کی ذات بابرکات کا پتہ دے رہی ہیں۔ پھر اس زمانہ میں ایک صادق منصب نبوت و رسالت پر مبعوث ہو کر صدہا نہاں در نہاں باتوں سے دنیا کو آگاہ کرتا ہے اور ایسے ایسے عظیم الشان اور عجیب واقعات کی اطلاع دیتا ہے کہ بظاہر ناممکن معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن تھوڑا زمانہ گذرنے نہیں پاتا۔ کہ وہ باتیں منصۂ ظہور میں آجاتی ہیں۔ دیکھو ابھی کل کی بات ہے۔ کہ اس نے پنڈت لیکھرام کو کہا۔ کہ سید الورٰی خیر الرسلؐ کے حق میں بدزبانی مت کر۔ کہ اس کا انجام خراب ہے۔ مگر پنڈت لیکھرام باز نہ آیا۔ اس صادق نے کہا ؎

الا اے دشمنِ نادان و بے راہ   بترس از تیغ بُرّانِ محمدؐ

پھر جاننے والے جانتے ہیں۔ کہ لیکھرام کا کیا انجام ہُوا۔ پھر جب بنگالہ تقسیم ہُوا اور بنگالی شور مچا کر ایجیٹیشن پھیلا کر تھک کر بیٹھ گئے۔ اور انگلستان کے بڑے بڑے مدبرین نے قطعی رائے دے دی۔ کہ اب یہ تقسیم کبھی منسوخ نہیں ہو سکتی۔ اس وقت اس نے الہام پا کر اعلان کیا کہ تقسیم بنگالہ منسوخ ہو کر بنگالیوں کی دلجوئی ہوگی۔ گو کسی کو یقین نہ آیا۔ اور ہنسی کرنیوالوں نے ہنسی کی۔ مگر ۱۹۱۲ء میں

ہمارا زمینی بادشاہ انگلینڈ سے چل کر دہلی آیا۔ اور وہاں تقسیم بنگالہ موقوف کر کے ہمارے آسمانی بادشاہ کے کلام کی تصدیق کی۔ کیا یہ حیرت انگیز واقعہ اس بات کی دلیل نہیں۔ کہ مسیح موعودؑ کا ایک ایسی ہستی سے تعلق تھا۔ جو علیم و حکیم اور قادر مقتدر ہستی ہے۔

چھٹی دلیل:۔ ہستی باری تعالےٰ کے ثبوت میں چھٹی دلیل اللہ تعالیٰ خانہ کعبہ کے وجود کو پیش کرتا ہے اور فرماتا ہے۔ جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاماً للناس والشھر الحرام والھدی والقلائد ذالک لتعلموا ان اللہ یعلمُ الآیۃ۔ یعنی دنیا میں بہت سے بادشاہ ہیں۔ بڑے بڑے قلعے بنواتے ہیں۔ اور آسمان سے باتیں کرنیوالی عمارتیں بنوا کرواتے ہیں۔ لیکن ایک وقت کے بعد وہ قلعے ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں۔ وہ عمارتیں ویران ہو جاتی ہیں۔ اور کوئی ان کا پرسان حال نہیں رہتا۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ وہ بادشاہ اپنے وقت میں بیشک بڑی قوت اور شوکت رکھتے تھے۔ لیکن جب موت نے ان کو اس دُنیا سے باہر کر دیا۔ پھر اس کارخانہ میں ان کا کوئی دخل باقی نہ رہا۔ لیکن اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ میں ایک چھوٹا سا مکان مکّہ میں بناتا ہوں۔ وہ ہمیشہ آباد رہے گا۔ اور اس مقام پر کبھی ویرانی دخل نہ پا سکے گی۔ وہ مکان لوگوں کے لئے امن کا موجب ہو گا۔ لوگ دنیا کے کناروں سے قربانیاں گذرانتے وہاں آئیں گے۔ اور وہاں پر ہمیشہ حج ہوتا

رہے گا۔ اور وہ دینی مرکز بن جاوے گا۔ اب دیکھو اس وعدہ کو تیرہ سو برس ہونے کو آئے۔ اور ہمارے سامنے سینکڑوں قلعے اور عظیم الشّان فلک نما عمارتیں زمین کا پیوند ہو گئیں۔ بیسیوں بڑی بڑی سلطنتیں تباہ ہو گئیں۔ اور دنیا پر بڑے بڑے انقلاب آئے۔ مگر مکہ کا وہ معمولی سا مکان اپنی شان و شوکت کے ساتھ قائم ہے۔ لوگوں کے لئے امن کا موجب بنا ہُوا ہے دیکھو آج موجودہ جنگ میں ٹرکی کے ماتحت ہونے کی وجہ سے شام اور عراق اور قسطنطنیہ سخت خطرہ میں ہیں۔ اور وہاں کے لوگ آئندہ آنے والے حوادث سے پریشان ہو رہے ہیں۔ مگر ملک عرب اور مکّہ معظمہ ایک ایسا مقام ہے۔ جہاں کے رہنے والوں کو اس کا کوئی خطرہ نہیں۔ غرض مکہ معظمہ کی یہ خصوصیت اور ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا وہاں ہر سال دیوانہ وار دوڑتے ہوئے جانا اور بیت اللہ کا یہ اعزاز و احترام اس بات کی دلیل ہے۔ کہ اس کا بنانے والا غیر فانی ہے۔ اور آگے فرمایا۔ لتعلموا ان اللہ یعلم یعنی بیت اللہ کا وجود جس طرح دلالت کرتا ہے۔ کہ اس کا بانی ازلی ابدی اور قادر مقتدر ہے۔ جو اپنے بنائے ہوئے مکان کی حفاظت اپنی بے نظیر قدرت سے کرتا ہے۔ اسی طرح وہ بکل شیئٍ علیم بھی ہے۔ غرض خانہ کعبہ کا وجود بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایک برہان ہے ؛

ساتویں دلیل:۔ ساتویں دلیل اللہ تعالےٰ نے اپنی ہستی کے منوانے کیلئے

قرآن مجید میں یہ بیان فرمائی ہے۔ کہ ہم یہ کتاب یعنی قرآن مجید نازل کرتا ہوں۔ اور یہ کتاب کیا بلحاظ فصاحت و بلاغت اور کیا بلحاظ اپنی معنوی خوبیوں کے ایسی بے مثل ہے۔ کہ اس کی نظیر کوئی نہیں بنا سکتا۔ اور اگر کسی میں طاقت ہے۔ تو وہ آزما دیکھے۔ پھر زور دے کر فرمایا۔ کہ اگر دنیا کے جن و انس اگلے اور پچھلے عالم اور جاہل ملکر بھی اس پایہ کی کتاب بنانا چاہیں۔ تو بھی نہیں بنا سکتے۔ اور یہ بات دلیل ہے اس امر کی کہ یہ کتاب کسی انسان کی نہیں۔ کیونکہ اگر کسی انسان کی تصنیف ہوتی۔ تو اور بہت سے انسان ایسی تصنیف کر سکتے لیکن جب کوئی شخص خواہ کتنا ہی بڑا عالم ہو۔ اس کی مثل لانے پر قادر نہیں اس لئے نتیجہ یہ نکلا کہ یہ انسانی فعل نہیں۔ بلکہ کسی وراءالوراء ہستی کا ہے جو تمام انسانوں سے زیادہ قادر اور علیم و حکیم ہے۔ اور اسی کو دوسرے لفظوں میں مسلمان خدا کہتے ہیں۔ غرض قرآن کا بے مثل ہونا اللہ تعالےٰ کی ہستی کا ایک بہت بڑا زبردست ثبوت ہے ؛

آٹھویں دلیل:۔ دنیا میں جس قدر چیزیں ہم کو نظر آتی ہیں۔ اصل میں ان کی ذات ہم نہیں سکتے۔ بلکہ صفات کو دیکھتے ہیں۔ مثلاً ہماری آنکھوں کے سامنے ایک درخت ہے۔ اور ہم اسے دیکھ رہے ہیں۔ تو اس کی ذات کو نہیں دیکھتے بلکہ کچھ صفتوں کو دیکھ رہے ہیں۔ مثلاً اس کا طول و عرض نظر آتا ہے۔ اور طول و عرض صفات میں سے ہے۔ نہ کہ ذات سے پھر

اس کا رنگ دیکھتے ہیں۔ اور وہ صفت نہ کہ ذات۔ پھر ہاتھ لگا کر اس کی سختی نرمی معلوم کرتے ہیں تو وہ بھی ذات نہیں بلکہ صفات ہیں۔ پھر اس کا میوہ کھاتے ہیں۔ تو اس کی ذات نہیں معلوم ہوتی۔ بلکہ مزا محسوس کرتے ہیں اور یہ بات صاف ظاہر ہے۔ کہ مزیدار ہونا میوہ کی ایک صفت ہے نہ کہ ذات۔ غرض جمادات۔ نباتات۔ حیوانات ان تمام قسموں میں سے ہم جب کوئی چیز دیکھتے ہیں۔ تو اس کی ذات ہمیں نظر نہیں آتی۔ بلکہ صفات ہی صفات دیکھتے ہیں۔ طول۔ عرض۔ رنگ۔ سختی۔ نرمی۔ مزہ وغیرہ یہی باتیں ہم کو نظر آتی ہیں۔ اس لئے یہ مطالبہ کرنا۔ کہ خدا کی ذات ہمیں دکھا دو ایک بیہودہ مطالبہ ہے۔ کیونکہ ذات تو کسی چیز کی بھی نظر نہیں آتی۔ سب چیزوں کو ان کی صفات کے ذریعہ ہم پہچان سکتے ہیں۔ اسی طرح ہم بھی خدا تعالےٰ کو اس کی صفات دیکھکر تسلیم کرتے ہیں۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ اس دُنیا میں رحمانیت ہو رہی ہے اور بہت سی چیزیں ہمیں بغیر ہماری محنت کے بے مانگے کے مل رہی ہیں۔ مثلاً سُورج۔ چاند۔ ہوا۔ پانی وغیرہ یہ سب کچھ نعمتیں ہمیں بے محنت کے ملی ہیں۔ اور اسی کا نام رحمانیت ہے۔ سو جب ہم رحمانیت کی صفت دنیا میں دیکھتے ہیں تو اس کا موصوف بھی ماننا پڑے گا۔ کیونکہ کوئی صفت بغیر موصوف کے نہیں ہوتی۔ پھر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ دُنیا میں

ربوبیت ہو رہی ہے۔ دیکھو جب ہم ماں کے پیٹ سے نکلے اسوقت ہمارے لئے دودھ مہیا کیا گیا۔ اور ہم نے ایک دو سال تک بڑے آرام سے زندگی بسر کی۔ پھر جب کہ ماں کی چھاتیوں میں دودھ نہ رہا اور اناج وغیرہ کے کھانے کی ضرورت پڑی تو ہمیں دانت دئیے گئے تاکہ سخت چیزیں ہم چبا سکیں۔ سو جب ہم دُنیا میں صفت ربوبیت کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ تو اس کے موصوف کا کیوں انکار کریں۔

پھر صفت علم کو دیکھو۔ اس کا بھی قانون قدرت سے پتہ لگتا ہے۔ مثلاً جب ایک مقام پر سورج بنایا۔ تو اس بنانے والے کو باقی جگہوں کی بھی اطلاع تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس سورج سے اتنے فاصلے پر انسانی آنکھ ہے۔ نہ تو سورج کو زیادہ قریب کیا۔ کہ انسان کی آنکھیں چندھیا جائیں اور وہ کچھ دیکھ نہ سکے۔ اور نہ اس قدر دور کہ وہ اندھا ہو جاوے۔ اور کمبنیاں بھی نہ بنیں۔ غرض انسانی آنکھ اور سورج دونوں کے تعلقات سے پتہ چلتا ہے۔ کہ دونوں کا بنانے والا ایک ہے۔ اور سورج بناتے وقت اُسے آنکھ کا اور آنکھ بناتے وقت اُسے سورج کا علم تھا۔ پھر جب ہمارے کان بنائے۔ تو ادھر خوش آوازی بھی پیدا کی۔ اور جب ذائقہ کی قوت زبان میں ودیعت کی۔ تو میووں اور بہت سے کھانوں کو مزیدار بنایا۔ اسی طرح ناک میں قوت شامہ رکھی۔ تو ادھر بہت

سے خوشبودار پھول بھی اس کے لئے پیدا کئے۔ غرض دنیا کی چیزیں آپس میں ایک گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ اور یہ بات علم پر دلالت کرتی اور علم بغیر عالم کے نہیں۔ کیونکہ کوئی صفت بغیر کسی موصوف کے قائم نہیں ہوتی۔ سو اسی عالم کو ہم اپنی اصطلاح میں خدا کہتے ہیں۔

نویں دلیل۔ دُنیا میں جس قدر چیزیں ہم کو نظر آتی ہیں۔ سب مرکّب ہیں۔ کوئی بھی مفرد نہیں۔ ہوا کو لو۔ وہ بھی مختلف گیسوں سے مُرکّب ہے پانی بھی مرکّب ہے۔ غرض دنیا مرکبات کا مجموعہ ہے۔ ان مرکّبات کا کوئی جوڑنیوالا اور مرکب کرنے والا تسلیم کرنا پڑیگا۔ اور وہی خدا ہے لیکن اگر کہو۔ کہ یہ خود بخود مرکب ہوتے ہیں۔ اور مرکب ہونا ان کی خاصیّت ہے۔ تو ہم کہتے ہیں۔ کہ یہ غلط ہے۔ کیونکہ اگر مرکّب ہونا ان کا خاصہ ہے۔ تو چاہیئے کہ جب ہم ان چیزوں کو توڑ دیں۔ تب بھی وہ دوبارہ مرکّب ہو جایا کریں۔ کیونکہ بقول تمہارے مرکب ہونا ان کا اپنا خاصہ ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ دیکھو جب ہم ایک درخت سے اس کے پھل پھول۔ پتے۔ شاخیں۔ ڈالیاں۔ تنے جدا کر دیں۔ تو وہ پھر کبھی نہیں جڑتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جڑنا اور مرکب ہونا۔ درخت کا اپنا خاصہ نہیں۔ ورنہ توڑنے کے بعد پھر دوبارہ جڑ جاتا۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا۔ کہ مرکب ہونا چیزوں کا اپنا خاصہ نہیں۔ تو لامحالہ ایک

مرکب کرنے والا ماننا پڑیگا۔ یہ بات گھڑے سے خوب حل ہوتی ہے۔ گھڑا پہلے مٹی تھا۔ لیکن ایک شخص نے اپنے ارادہ سے اس مٹی کو پانی سے مرکب کیا۔ پھر ایک خاص صورت بنائی۔ پھر اُسے آگ میں ڈالا اور تب جاکر وہ گھڑا بنا۔ اب بتاؤ۔ کہ وہ گھڑا خود بخود بنا یا اسے کسی نے بنایا۔ اگر کہو خود بخود بنا۔ تو ہم کہتے ہیں۔ آؤ اسے تھوڑی دیر کے لئے توڑ دیں۔ پھر دیکھیں کہ آیا یہ دوبارہ ویسا بن جاتا ہے ہرگز نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ گھڑے نے موجودہ صورت خود بخود اختیار نہیں کی۔ بلکہ اس کا کوئی بنانے والا ضرور موجود ہے۔ اسی طرح دُنیا کی تمام چیزیں مرکب اور ایک خاص صورت پر ہیں۔ اگر کہو کہ وہ خود بخود اس ترکیب سے اور اس ہیئت پر ہیں۔ تو یہ تو صریحاً غلط ہے۔ اُن کو توڑ کر دیکھ لو۔ دوبارہ کبھی خود بخود نہ بن سکیں گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کا ترکیب دینے والا کوئی اور موجود ہے۔

دسویں دلیل:۔ سورج روشنی دیتا ہے۔ کھیتیاں پکاتا ہے۔ ہمیں گرمی پہنچاتا ہے۔ گندے اجرام ہلاک کرتا ہے۔ چاند رات کی مشعل ہے۔ میوے پکاتا ہے۔ مدوجزر پیدا کرتا ہے۔ پانی ہماری پیاس بجھاتا ہے۔ ہمارے اور بہت سے کاموں میں کار آمد ہے۔ غرض دنیا میں بہت سی چیزیں انسان کو فائدہ پہنچاتی ہیں۔ ان کے متعلق

تین ہی صورتیں عقل میں آسکتی ہیں۔ یا تو کہا جاوے کہ سب اتفاقی ہیں لیکن یہ بات بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اتفاقیہ وہی بات ہوتی ہے جو کبھی ہو اور کبھی نہ ہو۔ لیکن سورج کا چڑھنا اتفاقیہ نہیں۔ ہر روز چڑھتا ہے۔ اور وقت معین پر غروب ہوتا ہے۔ اور جب سے دنیا بنی۔ اور انسانی تاریخ گواہی دیتی ہے۔ یہی ہوتا چلا آیا۔ کہ وقت مقررہ پر سورج نکلا۔ اور مقررہ پر ہی غروب ہوا۔ گرمی ہو۔ سردی ہو۔ برسات ہو۔ بہار ہو۔ خزاں ہو۔ ہمیشہ طلوع ہوا۔ اور ہمیں روشنی بخشی۔ ہماری کھیتیاں پکائیں۔ اسی طرح چاند کا بھی یہی حال ہے پانی کو لو۔ وہ بھی ایسا ہی پایا جاتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ سورج کا چڑھنا۔ چاند کا طلوع ہونا۔ پانی کا پیاس بجھانا اتفاقیہ نہیں۔ کیونکہ اتفاقیہ اسے کہتے ہیں۔ جو کبھی ہو کبھی نہ ہو۔ کیا کبھی وہ لڑکا جو روز مدرسہ میں حاضر ہوتا ہو۔ وہ کبھی کہہ سکتا ہے کہ میں مدرسہ میں اتفاقیہ جایا کرتا ہوں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ باتیں اتفاقیہ نہیں ہوتیں۔ بلکہ سورج۔ چاند۔ پانی اپنے ارادہ اور مرضی سے ایسا کرتے ہیں۔ مثلاً سورج خود مہربانی سے انسانوں پر رحم کرنے کے لئے دن کو نکلتا اور رات کو غروب ہوتا ہو۔ اور ہمارے آرام کے لئے وہ اناج۔ غلے پکاتا ہو۔ اور چاند بھی اپنی مرضی سے نکلتا

اور چھپتا ہو۔ اور پانی بھی جان بوجھ کر اپنی مرضی سے ہماری پیاس بجھاتا ہے۔ سو اس صورت میں چاہیئے کہ دہریئے بجائے ایک خدا ماننے کے بہت سے خداؤں کا اقرار کریں۔ سورج کا بھی شکریہ ادا کریں۔ اور اس کی عبادت کریں۔ اور اس کے حضور عرض کریں۔ کہ اے ہمیں روشن کرنیوالے ہمیں اناج اور غلے دینے والے تو ہم سے خوش رہ اور کبھی ہم سے ناراض نہ ہونا۔ کیونکہ اگر تو ناراض ہوا۔ تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔ اسی طرح چاند کی بھی پرستش کریں۔ اور پانی کو بھی پوجیں کیونکہ جب یہ چیزیں اپنے ارادہ اور اپنی مرضی سے ایسا کرتی ہیں۔ تو ہو سکتا ہے۔ کہ ایک دن ایسا کرنا چھوڑ دیں۔ کیونکہ مختار جو ہوئیں کسی کی قید میں تو وہ نہیں ہیں۔ دیکھو جو شخص ایک کام اپنے ارادہ سے اور اپنی مرضی اور خوشی سے کرتا ہے۔ وہ اس بات پر بھی قادر ہے۔ کہ وہ ایک وقت میں اسے چھوڑ دے اس لئے چاہیئے۔ کہ دہریہ لوگ سورج۔ چاند۔ اور پانی۔ ہوا وغیرہ کی عبادت کریں۔ ان کو پوجیں ان سے دعا وغیرہ کریں۔ کیونکہ وہ اپنی مرضی اور خوشی سے ایسا کرتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ وہ ناراض ہو کر ہمیں تباہ کر دیں۔ غرض اگر یہ مانا جاوے کہ سورج اور چاند وغیرہ کے فوائد اور منافع اتفاقیہ نہیں بلکہ وہ اپنی خوشی اور ارادہ سے ایسا کرتے ہیں۔ تو پھر تو بجائے

ایک خدا کے بہت سے وجود قابل عبادت ہو گئے۔ چنانچہ اسی لئے بعض قومیں کواکب پرست اور شمس و قمر پرست ہیں۔

تیسری صورت۔ یہ ہے۔ کہ نہ یہ تمام باتیں اتفاقیہ ہیں۔ اور نہ سورج چاند وغیرہ اپنی مرضی اور خوشی سے چڑھتے اور غروب ہوتے ہیں۔ بلکہ کوئی ان پر حکمران ہے۔ جس کے قبضۂ قدرت میں یہ سب چیزیں ہیں۔ جس کے حکم سے چڑھتے اور غروب ہوتے ہیں۔ اس تیسری صورت کو تسلیم کرتے ہوئے ہم کہیں گے کہ اسی متصرف کو ہم خدا کہتے ہیں۔ اور یہی اس کے وجود کی دلیل ہے غرض دنیا کے کارخانہ اور اس کے نظام کے متعلق تین ہی صورتیں ہیں۔ یا تو کہا جاوے کہ یہ سب کچھ اتفاقیہ ہیں تو اعتراض ہوتا ہے کہ اتفاقیہ نہیں۔ کیونکہ ایک بے نظیر باقاعدگی پائی جاتی ہے۔ اور اتفاقیہ کام تو وہ ہوتا ہے۔ جو کبھی ہوا اور کبھی نہ ہوا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ہوا۔ پانی۔ سورج۔ چاند سب اپنی مرضی سے کام کرتے ہیں تو یہ بھی دہریہ نہیں مانتے۔ اور اگر مانیں تو پھر دہریہ نہیں رہتے کیونکہ ایک خدا چھوڑا انہیں بہت سے خدا ماننے پڑیں گے۔ اور ان سب چیزوں کی پرستش کرنی پڑے گی۔ اور ان سب کا شکریہ ادا کرنا پڑے گا۔ تیسری صورت یہ ہے۔ کہ یہ سب چیزیں اپنی

مرضی سے کام نہیں کرتیں۔ بلکہ کسی کے حکم سے۔ پھر بھی دہریوں کا مذہب باطل ہو گیا۔ کیونکہ اسی حاکم کو ہم خدا کہتے ہیں۔

گیارھویں دلیل۔ دنیا کے وجود کے متعلق دو باتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو یہ کہ وہ خود بنی ہے۔ دوسرے یہ کہ اسے کسی نے بنایا ہے۔ اگر کہو کہ خود بخود بنی ہے۔ تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ عدم سے وجود میں آنا ایک فعل ہے۔ اور فعل بغیر فاعل کے نہیں ہوتا۔ اور فاعل ہمیشہ اپنے فعل سے پہلے موجود ہوتا ہے۔ سو اگر اس عدم سے وجود میں آنیکا فاعل خود دنیا ہے۔ تو اس کے یہ معنے ہوئے کہ دنیا اپنے خود بخود بننے سے پہلے بھی موجود تھی۔ کیونکہ خود بخود بن جانا ایک فعل ہے اور دنیا اس کی فاعل۔ اور فاعل فعل سے پہلے موجود ہوتا ہے اس لئے نتیجہ یہی نکلے گا۔ کہ دنیا اپنے پیدا ہونے سے پہلے بھی موجود تھی۔ حالانکہ یہ بات ایسی بیہودہ ہے۔ کہ ایک بچہ بھی جانتا ہے۔ کہ کوئی چیز اپنے پیدا ہونے اور بننے سے پہلے نہیں ہوتی اس بات کا اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں رد کرتا ہوا فرماتا ہے۔ ام ھم الخالقون خیر یہ بات تو اس طرح باطل ہوئی۔ اب دوسری بات لو۔ یعنی یہ کہ دنیا خود بخود نہیں بنی۔ بلکہ اس کا بنانے والا کوئی ایک وجود ہے سو یہ بات واقعہ میں درست ہے۔ اور اس بنانیوالے کو ہم خدا

کہتے ہیں۔

بارھویں دلیل۔ دہریوں کا یہ دعویٰ کرنا۔ کہ ہم خود بخود دنیا میں پیدا ہوئے۔ یہ غلط ہے کیونکہ خود بخود پیدا ہونا ایک ترجیح ہے۔ یعنی نیست پر ہست کو ترجیح دی گئی اور ترجیح بلا مرجح ہوتی نہیں۔ ضروری کوئی مرجح ماننا پڑیگا۔ اگر دہریہ کہیں کہ خود مرجح ہیں تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ مرجح ترجیح سے پہلے ہوتا ہے۔ اور ہم اپنے عدم سے وجود میں آنے سے پہلے بھی موجود تھے۔ تو عدم سے وجود میں آنا کیسا۔ غرض ہم مرجح نہیں ہو سکتے۔ اور جب ہم نہ ہوئے تو کوئی اور ہوگا۔ بس اسی کو ہم خدا کہتے ہیں۔

تیرھویں دلیل۔ دنیا یا تو قدیم ہے۔ یا حادث۔ اگر کہو کہ قدیم ہے تو ہم کہتے ہیں۔ کہ یہ غلط ہے۔ کیونکہ قدیم وہ چیز ہو سکتی ہے جو کسی اور کی محتاج نہ ہو۔ کیونکہ جس چیز کا قیام دوسروں کے سہارے ہو۔ وہ قدیم کس طرح ہو سکتی ہے۔ ادھر ہم دنیا کی چیزوں کو دیکھتے ہیں۔ کہ سب کی سب محتاج ہیں۔ زمین اناج اگاتی ہے لیکن اس میں بھی وہ پانی کی محتاج ہے۔ اگر پانی نہ برسے تو زمین اکیلی کیا کر سکتی ہے پانی کھیتیوں کو فائدہ دیتا ہے۔ لیکن اکیلا کچھ نہیں کر سکتا ہے۔ اگر زمین سے خوراک نہ پہنچے۔ تب بھی درخت نہ اگیں یا اگر سورج گرمی نہ پہنچائے

تب بھی اناج پیدا نہ ہو۔ سو پانی بھی مستقل حیثیت نہیں رکھتا۔ اسی طرح سورج گرمی پہنچاتا ہے۔ مگر ہوا کا محتاج ہے۔ اگر ہوا نہ ہو تو اس کی شعاعیں ہم تک نہ پہنچیں۔ غرض دنیا کی ہر چیز محتاج ہے اور کوئی محتاج قدیم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ دنیا کی ہر چیز حادث ہے۔ تو جب حادث ثابت ہوئی تو کوئی ان کا محدث ہونا چاہیئے۔ اور جو ہستی اتنے بڑے عظیم الشان کارخانہ کا محدث ہو۔ وہی عبادت اور پرستش کے لائق ہے۔ اور اسی کو مذہبی اصطلاح میں خدا کہتے ہیں ؛

چودھویں دلیل ۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی مصنوع بغیر صانع کے نہیں۔ دیکھو اگر جنگل میں ہم کو ایک صندوق مل جائے۔ اگر اس کے بنانیوالے کو ہم نے نہیں دیکھا۔ اور نہ وہ صندوق ہمارے سامنے بنایا گیا تب بھی ہم یہی یقین کریں گے کہ ضرور اسے کسی نہ کسی نے بنایا ہے۔ غرض ایک ادنیٰ سے ادنیٰ چیز بھی جب ہمارے سامنے آوے گی۔ تو ہم اسے دیکھتے ہی اپنے دل میں اس خیال کو جگہ دیں گے کہ اسے کسی نے بنایا ہے اور یہ خود بخود نہیں بنی۔ اور اسباب میں ایک دہریہ بھی ہمارے ساتھ شریک ہے۔ وہ جب کوئی عمارت بنی ہوئی دیکھتا ہے۔ تو اسے بھی یہی یقین ہوتا ہے۔ کہ یہ خود بخود نہیں بنی۔ بلکہ اس کا کوئی بنانے والا ہے۔ حالانکہ اس نے اس کے بنانے والے کو نہیں دیکھا ہوتا۔ سو

جب ہماری فطرت بھی یقین رکھتی ہے کہ ہر مصنوع کا کوئی نہ کوئی صانع ضرور ہوتا ہے۔ اور ہمارا مشاہدہ بھی یہی کہتا ہے۔ تو پھر دہریوں کا یہ کہنا کہ اتنے بڑے نظام کا کوئی خالق نہیں۔ اور یہ تمام دنیا خود بخود ہے۔ زمین۔ سورج۔ چاند وغیرہ آپ ہی آپ ہیں۔ کیسا غلط اور فطرت کے خلاف عقیدہ ہے۔ جب ایک قلم ایک دوات ایک کاغذ بھی بغیر بنانے والے کے نہیں بنتا۔ تو اتنا بڑا انتظام اور ایسا پرحکمت انتظام کس طرح بغیر صانع اور خالق کے قائم ہے۔ اگر یہ کہیں کہ ہم مکانوں اور عمارتوں کو بنتا دیکھتے ہیں۔ اس لئے ہم کہتے ہیں۔ ان کو کسی نے بنایا ہوگا۔ لیکن دہریوں کی یہ بات بالکل لغو ہے۔ کیا مصر کے میناروں کے معمار کسی نے دیکھے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ لیکن پھر بھی دہریئے مانتے ہیں۔ کہ وہ مینار بھی کسی کے بنائے ہوئے ہیں۔ پھر ایک اور بات سنو۔ کیا ایسی ایجاد جو پہلے کسی نے نہ کی ہو۔ وہ ایک دہریہ کو دکھائی جاوے۔ تو کیا دہریہ اقرار کرے گا۔ کہ یہ خود بخود ہے۔ ہرگز نہیں۔ کیا فونوگراف جو دنیا میں پہلے کسی نے نہیں بنایا۔ کیا پہلے پہل جب کوئی دہریہ اسے دیکھتا ہے تو یہی سمجھتا ہے کہ وہ خود بخود ہے۔ ہرگز نہیں غرض یہ بات صاف ظاہر ہے کہ کوئی چیز بغیر صانع کے نہیں ہوتی اس لئے یہ کہنا کہ دنیا خود بخود ہے۔ اور کوئی اس کا پیدا کرنے والا نہیں۔ ایک

بالکل غلط بات ہے۔ علاوہ ازیں ایک مثال پر غور کرو۔ ایک شخص ایک کاغذ پر سیاہی گری ہوئی دیکھتا ہے۔ تو وہ خیال کرتا ہے۔ کہ کسی انسان نے گرائی ہوگی۔ مگر ساتھ ہی یہ خیال بھی آتا ہے۔ کہ شاید کسی چوہے وغیرہ نے دوات الٹادی ہو۔ لیکن اگر اس کاغذ پر تین چار سطریں لکھی ہوئی ہوں۔ خواہ وہ ایسی زبان میں کیوں نہ ہوں۔ جس کو دیکھنے والا نہیں سمجھتا۔ تب بھی یہی یقین کرے گا۔ کہ یہ صرف انسان کا فعل ہے۔ کسی جانور کا نہیں۔ یہ اسی لئے کہ سطروں کا لکھنا ایک اعلیٰ کام ہے۔ اور ترتیب پر مبنی ہے۔

سو جس طرح ایک شخص تین چار سطروں کو دیکھکر اس نتیجہ پر پہنچتا ہے۔ کہ اس ترتیب کا ضرور کوئی مرتب ہونا چاہئیے۔ اسی طرح ہم بھی جب دنیا اور نظام عالم کو دیکھتے ہیں۔ تو ہم بھی اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ ایسے پُرحکمت اور مرتب نظام کا بھی کوئی پیدا کرنیوالا ہے۔ اور اسی کو ہم خدا کہتے ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وملئکتہ

ثبوت ملائکہ

کسی بات کے ثبوت کے دو ہی پہلو ہوتے ہیں۔ عقلی اور نقلی۔ اور جس بات کو عقل سلیم غلط قرار دے۔ گو وہ نقل کے لحاظ سے کیسی ہی اعلیٰ پایہ کی ہو۔ لیکن تاہم وہ درست اور صحیح ثابت نہیں ہوسکتی۔ اسکی مثال میں ہم عیسائیوں کا عقیدہ تثلیث فی التوحید و توحید فی التثلیث پیش کرسکتے ہیں۔ یہ عقیدہ نقل کے لحاظ سے درست ہے۔ یعنی عیسائیوں کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ عیسائیوں کے بڑے بڑے علماء اس کو مانتے ہیں۔ اور پولوس جو عیسوی مذہب کا ایک طرح سے بانی ہے۔ وہ بھی اس عقیدہ کو تسلیم کرتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ مسئلہ عقل کے خلاف ہے اور ایک منٹ کے لئے بھی ہماری ضمیر برداشت نہیں کرسکتی۔ کہ ایک ہی وقت میں تین ایک ہوں۔ اور ایک تین۔ اس لئے ایسے مسئلہ کو فوراً رد کردیا جائیگا۔ اور گو نقل کے لحاظ سے درست ہے۔ مگر عقل اس کو نہیں مانتی۔ اس لئے ہم اسے تسلیم نہیں کریں گے۔ دوسرا پہلو نقل ہے۔ سو اگر ایک بات

عقل کے مطابق ہو۔ اور عقل اس کا انکار نہ کرے۔ اور عقل کے نزدیک وہ ناممکن نہ ہو۔ مگر نقل سے اس کا ثبوت نہ مل سکے۔ تب بھی ہم اسے نہیں مان سکتے۔ مثلاً کوئی کہدے۔ کہ ملکہ معظمہ ایک دفعہ ہندوستان میں تشریف لائی تھیں۔ تو ہم اس بات کو درست نہیں سمجھیں گے۔ کیونکہ یہ نقل کے خلاف ہے۔ گو ملکہ معظمہ کا ہندوستان میں آنا ان کی زندگی میں ناممکن نہ تھا۔ نہ عقل اس کے مخالف ہے۔ سامان موجود تھے۔ ریل اور جہازوں کی آمد و رفت تھی۔ ہر شخص آسانی سے آجا سکتا تھا اور اگر ملکہ معظمہ چاہتیں تو ہندوستان آسکتی تھیں لیکن یہ بات عقل کے خلاف ہے یعنی ان کے ہندوستان میں آنے کی کوئی صحیح روایت موجود نہیں بلکہ صحیح روایات بیان کرنیوالے اور ملکہ معظمہ کے حالات تحریر کرنیوالے اس بات کے مخالف ہیں اس لئے ہم اس بات کا انکار کرتے ہیں۔ غرض جو بات عقل کے خلاف ہو وہ بھی درست نہیں۔ اور جو بات نقل کے موافق نہ ہو۔ اسے بھی تسلیم نہیں کر سکتے۔ اور جو دونوں کے خلاف ہو۔ وہ تو بالکل ہی بیہودہ ہے۔ اس لئے جو بات ہم ثابت کرنا چاہیں۔ اسے انہی عقلی و نقلی دو پہلوؤں سے پرکھنا چاہیئے۔ اب ہم فرشتوں کے وجود اور ملائکہ کی ہستی کو پہلے عقلی معیار پر پرکھتے ہیں:۔

ملائکہ کا وجود عقلی پہلو سے

سو اگر ہم فرشتوں کے متعلق عقل سے فتویٰ پوچھیں۔ تو وہ انہیں ناممکن نہیں بتاتی بلکہ اس بات کو جائز اور قرین قیاس سمجھتی ہے۔ کہ فرشتے ہوں۔

کیونکہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ کے تمام فیوض ہمیں بلاواسطہ نہیں ملتے بلکہ واسطوں اور وسیلوں کے ذریعہ سے ہم تک پہنچتے ہیں۔ دیکھو ہمیں پیاس لگتی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ ہی اپنے فضل و کرم سے اسے بجھاتا ہے۔ مگر بلا واسطہ نہیں۔ بلکہ پانی کے ذریعہ اسی طرح ہمارے بدن میں تحلیل کا سلسلہ رکھا گیا ہے اور ہمیں بھوک لگتی ہے۔ اور وہی رحیم و کریم خدا اپنی بندہ نوازی سے ہماری بھوک دور کرتا ہے۔ مگر کیا کسی واسطہ کے بغیر۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اناج کے ذریعہ میووں کے واسطہ سے۔ جانوروں کے گوشت کے وسیلہ سے۔ پھر ہمیں گرمی سردی ستاتی ہے۔ ان کا دفعیہ بھی اللہ تعالےٰ ہی کرتا ہے مگر لباس کے ذریعہ۔ روئی۔ اون اور ریشم کے واسطہ سے۔ پھر ہم روشنی کے محتاج ہیں۔ وہ بھی اسی نے ہمیں دی۔ مگر سورج کے ذریعہ۔ غرض جسمانی عالم میں جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیض ہم تک پہنچتا ہے۔ وہ بلا واسطہ نہیں پہنچتا۔ بلکہ کسی نہ کسی واسطہ سے۔ اسی طرح عقل تقاضا کرتی ہے کہ روحانی عالم میں بھی کوئی ذرائع ہوں اور وحی و الہام بھی نبیوں کو کسی واسطہ سے ہوتے ہوں۔ سو انہی واسطوں کا نام ملائکہ ہے۔ اور وہ ہستیاں جو خدا کا پیغام نبیوں اور رسولوں تک پہنچاتی ہیں۔ انہی کو اسلامی زبان میں ملائکہ کہتے ہیں۔ اور وہ وجود روحانی تحریکوں اور

لوگوں کو نیک ترغیبیں دینے کے کام پر مقرر ہیں۔ انہی کو ہم فرشتہ کہتے ہیں۔ غرض فرشتوں کے وجود کو عقل ناممکن نہیں بتاتی۔ بلکہ عقل جب مشاہدہ کرتی ہے۔ کہ اس جسمانی عالم میں الٰہی فیوض اور برکات کے لئے مختلف وسیلے ہیں۔ اور کوئی کام بے وسیلہ نہیں ہوتا۔ تو وہ فوراً یقین کرلیتی ہے۔ کہ عالم روحانی میں بھی کچھ وسائط ہونے چاہئیں۔ وہ روحانی فیوض جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں تک پہنچتے ہیں۔ وہ بھی وسیلوں کے ماتحت ہونے چاہئیں پس عقل بجائے اس کے کہ فرشتوں کو ناممکن الوجود ٹھہرائے اُن کی ہستی کو قرین قیاس بلکہ یقینی ٹھہراتی ہے۔ سو دونوں پہلوؤں میں سے عقلی پہلو سے تو فرشتوں کا وجود ثابت ہو چکا۔ اب نقلی پہلو سو دیکھو۔

فرشتوں کا وجود نقلی پہلو سے

نقلی لحاظ سے فرشتوں کا وجود اظہر من الشمس کی طرح ثابت ہے

کیونکہ کوئی مذہب نہیں۔ جس میں کسی نہ کسی رنگ سے فرشتوں کا اقرار نہ کیا گیا ہو۔ ہندو بھی دیوی دیوتاؤں کے قائل ہیں۔ زرتشتی بھی روحانی محرکوں کے مقر ہیں۔ یہودیوں کو بھی فرشتوں کی ہستی مسلم ہے۔ اور عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ پھر ان کے بعد اسلام بھی کھلے لفظوں میں ملائکہ کا وجود تسلیم کرتا ہے۔

سو اگر نقلی پہلو سے فرشتوں کی ہستی کا ثابت کرنا مطلوب ہو۔

تو اس کے لئے اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے۔ کہ صرف کوئی ایک مذہب ہی ان کے وجود کا مقر نہیں۔ بلکہ تمام مذاہب مختلف رنگوں میں ان کو مانتے ہیں۔ سو جب عقل بھی ملائکہ کی ہستی کو تسلیم کرتی ہے۔ اور نقلی طور سے بھی کافی ثبوت موجود ہے۔ تو ایک صحیح العقل شخص کا ہرگز حق نہیں۔ کہ وہ انکار کرے۔ اس کے بعد میں تفصیل سے وہ دلائل لکھتا ہوں جن سے فرشتوں کے وجود کو ہم منکرین پر ثابت کر سکتے ہیں۔

دلیل اوّل۔ دنیا میں جس قدر مذاہب ہیں۔ وہ سب کے سب فرشتوں کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں۔ قدیم ہندو بھی بہت سی ایسی ہستیاں مانتے ہیں۔ جو انسان کو نظر نہیں آتیں۔ بلکہ نہاں در نہاں ہیں۔ لیکن روحانی لحاظ سے اُن کا انسان سے تعلق ہے۔ چنانچہ دیوتوں اور دیویوں کو جو دوسرے لفظوں میں فرشتوں کے نام سے موسوم ہیں۔ اب تک ہندو مانتے ہیں۔ اور اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ خیر و شر پہنچانے کیلئے بہت سے ایسے وجود ہیں۔ جو ان جسمانی آنکھوں سے نظر نہیں آتے۔ اور چونکہ ہندوؤں کے دل میں جسمانیت نے اپنا گھر کر لیا ہے اور ہر چیز کو وہ جہرۃً مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے ان دیوتوں اور دیویوں کے مجسمے بنا لئے ہیں۔ اور پتھر تراش کر انہیں مختلف پوشیدہ ہستیوں کی خیالی تصویر سمجھ لیا ہے۔ اور اس سے بھی آگے بڑھے اور خدا کی تصویر بنائی

اور بت بنا کر انہیں خدائی صفات دیکر پوجنے لگے۔ غرض فرشتوں کو ہندو بھی دیوتوں اور دیویوں کے نام سے مذہباً تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح پارسی بھی خیر و شر کے مظہر بہت سے نہاں در نہاں وجود مانتے ہیں۔ پھر یہود کو لو۔ اور عیسائیوں کے مذہب کی طرف توجہ کرو۔ ان کی کتابوں میں سینکڑوں مرتبہ کھلے لفظوں میں فرشتوں کا ذکر ہے۔ اور بہت سے فرشتوں کے نام بھی اس میں درج ہیں۔

پھر اسلام کو لو۔ اس میں تو ملائکہ کو ماننا ایک فرض قرار دیا ہے اور ان کا ماننا ایمان کا ایسا رکن تسلیم کیا ہے جس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ اب جب کہ ہم نے ثابت کر دیا۔ کہ تمام مذاہب اس عقیدہ پر متفق ہیں تو نتیجہ نکلا کہ واقعہ میں فرشتوں کا وجود ہے۔ ورنہ تمام مذاہب میں یہ اتفاق نہ ہوتا۔ مذاہب کا اتفاق ہی فرشتوں کے وجود کی بڑی زبردست دلیل ہے۔ صرف وہم پر اس کی بنیاد نہیں۔

دوسری دلیل۔ اللہ تعالٰے قرآن مجید میں ایک اصول بیان فرماتا ہے۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا۔ یعنی دنیا میں سب سے زیادہ صادق اور سب سے زیادہ راستباز اور سب سے بڑھ کر ناراستی کا دشمن خود خدا تعالٰے کا وجود باجود ہے۔ کیونکہ وہ تمام سچائیوں کا سرچشمہ اور تمام صداقتوں کا منبع ہے۔ اس نے اپنی صداقت ظاہر کرنے کے لئے

قرآن جیسی پاک کتاب نازل فرمائی۔ اور دنیا میں اعلان کر دیا۔ کہ قل ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ۔ یعنی یہ کتاب میری صداقت کا اور میرے علم و حکمت کا ایک زندہ گواہ ہے کوئی شخص اس کتاب کی مثل لانے پر قادر نہیں۔ خواہ دنیا کے تمام عالم جن و انس اکٹھے ہو کر اس کی نظیر لانا چاہیں۔ مگر وہ کبھی قادر نہ ہو سکیں چنانچہ تیرہ سو برس سے دنیا اس اعلان کی صداقت کو دیکھ رہی ہے۔ آج تک کوئی شخص نہیں اٹھا جس نے قرآن مجید کی کسی ایک خوبی کا بھی کوئی نمونہ دکھایا ہو۔ پھر قرآن مجید میں خدا تعالٰے نے آئندہ زمانہ کے متعلق بہت سی اہم خبریں قبل از وقت بیان فرمائیں۔ جو اپنے وقت پر پوری ہوئیں۔ اور پوری ہو رہی ہیں۔ اور دنیا میں کوئی بڑا انقلاب نہیں آتا۔ جس کے متعلق خدا تعالٰے نے قرآن مجید میں اس کی پیشگوئی نہیں کی ہوتی اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ کہ ایک زمانہ آتا ہے۔ جب یاجوج ماجوج تمام دنیا پر چھا جاویں گے۔ اور تمام زمین پر وہ پھیل جاویں گے۔ حالانکہ اسوقت یاجوج ماجوج کا نام کوئی مروج نہ تھا۔ کوئی ان کو جانتا بھی نہ تھا۔ مگر آج بیسویں صدی پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ وہ یاجوج ماجوج آ گئے ہیں۔ جن کی قرآن مجید نے پیشگوئی کی تھی۔ پھر اس صداقتوں کے منبع اور راستبازی کے سرچشمہ نے قرآن مجید میں فرمایا تھا۔ کہ آخری زمانہ میں

ایک کیڑا نکلے گا۔ جو لوگوں کو کاٹے گا۔ اور لوگ اس کے کاٹے سے ہلاک ہو جاویں گے۔ اور تیرہ سو برس گزرنے پر وہ پیشگوئی پوری ہوتی ہے۔ اور طاعون کا کیڑا قوموں کی قوموں کو چٹ کر رہا ہے۔ کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں؟ کہ قرآن حق ہے۔ اور اس کا بھیجنے والا بھی حق ہے اور یقیناً ہے۔

سو جب قرآن مجید نے اپنی سچائی دنیا پر ثابت کر دی۔ اور قرآن کے خدا کا اصدق الصادقین ہونا اظہر من الشمس ہو گیا۔ تو فرشتوں کا وجود بھی کوئی مشتبہ امر نہ رہا۔ کیونکہ صادق قرآن مجید کھلے اور صاف لفظوں میں ان کے وجود کو تسلیم کرتا ہے۔ اور اصدق الصادقین خدا اُن کی ہستی کو پیش کرتا ہے۔

غرض فرشتوں کے وجود کی دوسری دلیل یہ ہے۔ کہ ان کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ اور جب قرآن مجید کی بے نظیری اور مکمل کتاب ہونے اور اس کی پیشگوئی کے عین وقت پر پورا نکلنے نے یہ ثابت کر دیا۔ کہ قرآن سراسر حق ہے۔ تو پھر فرشتوں کی ہستی اور اُن کا وجود بھی ثابت ہو گیا۔ کیونکہ اس قرآن نے جو سراسر حق ہے۔ ان کا ذکر کیا ہے۔ اور اُن کے وجود کو تسلیم کیا ہے۔

تیسری دلیل۔ جیسا کہ ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت میں راستبازوں کی

شہادت اپنے مضمون میں ناظرین کے سامنے پیش کر چکا ہوں۔ اسی طرح ملائکہ کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے بھی راستبازوں کی متفقہ شہادت ہی کو پیش کرتا ہوں۔ کیونکہ جب ہم دنیا میں بڑی سے بڑی بات صرف دو چار بھلے مانس سچے آدمیوں کے کہنے سے مانتے ہیں اور اہم سے اہم امر کا فیصلہ صرف معدودے چند گواہوں کی شہادت پر کیا جاتا ہے۔ اور صرف ایک دو آدمیوں کے کہنے پر ایک شخص کو قتل بھی کر دیا جاتا ہے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ تمام دنیا کے راستبازوں کی متفقہ شہادت کو رد کر دیا جاوے۔ اور ان کی شہادت کو پایۂ صداقت سے گرا ہوا سمجھا جائے۔ اور راستباز بھی معمولی راستباز نہیں۔ بلکہ صداقت کے ایسے بھوکے اور سچائی کے ایسے پیاسے کہ راستبازی کی خاطر مصیبتیں جھیلیں۔ وطن سے بے وطن کئے گئے۔ جان کے لالے پڑ گئے۔ یہاں تک کہ بہت سے قتل کر دیئے گئے۔ مگر سچائی سے منہ نہ موڑا۔ اور صداقت کے دامن کو ہاتھ سے نہ دیا۔ ایسے بے نظیر راستباز متفق ہو کر جب ایک بات کا اقرار کریں تو اس کے ماننے پر ایک صحیح العقل انسان مجبور ہو جاتا ہے۔ اور اس کے قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آتا یہ اتفاق ہی ہم فرشتوں کے وجود کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ اور دنیا کے سامنے اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ مختلف قوموں میں مختلف زمانوں میں مختلف راستباز

گذرے ہیں۔ جو سب کے سب فرشتوں کے وجود کے مقر ہیں۔ اور انہوں نے اپنے ذاتی تجربہ سے یہ اقرار کیا ہے۔ کہ فرشتے ہیں۔ اور وہ ہم سے ملے ہیں۔ ہمارا اور ان کا مکالمہ ہوا ہے۔ وہ ہمارے پاس خدا کا پیغام لائے ہیں۔ وقتاً فوقتاً انہوں نے ہمیں بشارتیں دیں۔ جو پوری ہوئیں۔ اور ہمارے دشمنوں اور تاریکی کے فرزندوں کی ہلاکت اور تباہی کی پیش خبریوں سے ہمیں مطلع کیا۔ اور وہ سب باتیں حرف بحرف صحیح نکلیں غرض راستبازوں کی متفقہ شہادت فرشتوں کے وجود کو ثابت کر رہی ہے۔

توراۃ کو دیکھو حضرت موسیٰؑ جابجا فرشتوں سے ملاقات کرتے ہم کلام ہوتے دیکھے جاتے ہیں۔ پھر بعد کے تمام اسرائیلی نبی اپنے اپنے زمانہ میں فرشتوں کے کلام کو سنتے اور ان کی بشارتوں اور دشمنوں کی تباہیوں کو سُن کر دُنیا میں شائع کرتے رہے۔ پھر اسرائیلی انبیاء میں آخری نبی مسیحؑ ناصری کی گواہی بھی اس بات پر ہے۔ حضرت مسیحؑ کے پاس فرشتے آتے ہیں۔ اور وہ ان سے ہمکلام ہوتے ہیں۔ پھر اُن کی والدہ گواہی دیتی ہیں کہ میرے پاس خدا کا فرشتہ آیا۔ اور مجھے کہا۔ کہ تو ایک بیٹا جنے گی۔ اور اس کا نام یسوع رکھے گی۔ پھر ان کے خاوند یوسف نجار کو فرشتہ ملا۔ اور رویا میں اس پر ظاہر ہوا۔ اور جو بشارت

دی۔ وہ پوری ہوئی۔ پھر حواریوں پر وقتاً فوقتاً ملائکہ اپنا وجود ظاہر کرتے رہے۔ پھر جب اسرائیلی خاندان سے نبوت منقطع ہو کر اسماعیلی گھرانے میں داخل ہوئی۔ تو سید الرسل مبعوث ہوا۔ اور اسکی بعثت کی ابتداء ہی ایک فرشتہ کے ذریعہ ہوئی۔ پھر بہت سے موقعوں پر فرشتے اس کے پاس آئے غموم مہموم کے وقت اُسے تسلی دی۔ اسکے ساتھ ہمکلام ہوئے۔ اُس نے اپنی آنکھوں سے ان کو تمثیل کے رنگ میں دیکھا۔ بارہا ان سے ملاقات کی۔ پھر اس کے بعد اس کی امت کے بڑے اولیاء راستباز صادق گواہی دیتے رہے۔ کہ ملائکہ ہیں۔ کیونکہ وہ ہم سے ملے اور انہوں نے ہم پر اپنے آپ کو ظاہر کیا۔ پھر سب سے آخر جری اللہ فی حلل الانبیاء کی بعثت ہوئی اس نے دنیا کو کہا کہ میں صاحب تجربہ ہوں۔ میری گواہی زیادہ معتبر ہے۔ میں نے فرشتوں کو تمثلانہ رنگ میں دیکھا وہ میرے خدا کا پیغام میرے پاس لائے۔ انہوں نے مجھے دشمنوں کے غلبے کے وقت انکی ہلاکت اور میری کامیابی کی بشارت دی۔ میں ان سے ہمکلام ہوا

غرض دنیا میں مختلف قوموں اور مختلف زمانوں کے راستبازوں اور کامل راستبازوں کا اس بات پر اتفاق ہے۔ اور وہ اپنے تجربہ سے متفق ہو کر شہادت دیتے ہیں۔ کہ فرشتے ایک نورانی اور ان مادی آنکھوں سے اوجھل ایک ہستی ہیں۔ جو تمثلانہ رنگ میں کبھی کبھی ان آنکھوں سے بھی نظر آجاتے ہیں۔ وہ خدا کا کلام بندوں تک لاتے ہیں۔ بندوں کو نیک کاموں

کی تحریک کرتے ہیں۔ انبیاء اور اولیاء اور خدا کے پیارے بندوں سے ان کا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ سو ملائکہ کے وجود کی تیسری دلیل راستبازوں اور صادقوں کی ایک زبردست گواہی ہے۔ کیونکہ اگر سچی شہادت اور صادق کی گواہی کا انکار ہو سکتا ہے۔ تو دنیا کا کارخانہ کبھی نہیں چل سکتا۔ اور نہ ہم دنیا میں زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ تمام عدالتیں بند کرنے کے قابل اور تمام قوانین اور قواعد دریا برد ہونے کے لائق ہیں نہ کسی مجرم کو سزا دینی چاہیئے۔ نہ کسی محنت کرنیوالے کو صلہ۔ نہ بیٹا باپ کی بات مانے۔ نہ بیوی خاوند کی بات پر اعتبار کرے۔ نہ حاکم کے قول کا محکوم کو یقین ہو۔ نہ محکوم کی باتوں پر حاکم کا اعتقاد۔ چند روز ہی میں دنیا کا کارخانہ درہم برہم ہو جاوے۔ اور علم تاریخ بالکل باطل ہو جاوے۔ اور اس سے بھی آگے بڑھیں۔ تو کوئی لڑکا نہ کہہ سکے کہ فلاں شخص میرا باپ ہے اور نہ باپ ہی منہ سے نکال سکے۔ کہ فلاں لڑکا میرا لختِ جگر۔ کیونکہ یہ تمام امور صرف شہادت پر قائم ہیں۔ اور شہادت بھی صرف ایک دنیادار عورت کی ؛

سو اگر دنیا کے لاکھوں راستبازوں اور صاحب تجربہ صادقوں کے کہنے پر بھی تم کو فرشتوں کے وجود کا اعتبار نہ آوے گا۔ تو تم اپنے بیٹے کو ولد الحلال کہنے کی صرف ایک عورت کی گواہی پر کس طرح جرأت کروگے

چوتھی دلیل۔ دنیا میں کوئی فعل بغیر کسی فاعل کے نہیں ہوتا۔ اور کوئی صنعت بغیر کسی صانع کے ظہور پذیر نہیں ہوتی۔ ادنٰے سے ادنٰے چیز کو لو۔ اور معمولی سے معمولی واقعہ پر نظر ڈالو۔ کوئی چیز اور کوئی واقعہ بغیر کسی علت کے وقوع میں نہیں آتا۔ اور دنیا میں ہر سانحہ اور حادثہ کا کوئی نہ کوئی پیدا کرنیوالا اور صفحۂ ہستی پر ظاہر کرنے والا ہوتا ہے اسی اصل کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم فرشتوں کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور بعض واقعات کی علت ملائکہ کو یقین کرتے ہیں۔ دیکھو ایک انسان ایک وقت اپنے بُرے ہمصحبتوں میں بیٹھا ہُوا انہی کے سے اعمال میں گرفتار اور مشغول ہوتا ہے۔ مگر اچانک بجلی کی طرح بعض دفعہ اُس کے دل میں نیکی کی تحریک ہوتی ہے۔ اور وہ ان بدیوں کے چھوڑنے کی ایک زبردست تحریک اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔ حالانکہ کوئی خارجی محرک نہیں ہوتا۔

نہ اس مجلس میں کوئی واعظ ہے۔ نہ اہل مجلس ہی ان بدیوں سے روکنے والے۔ بلکہ وہ تو بدی کی طرف مائل کرنے والے ہوتے ہیں۔ مگر باوجود ان تمام باتوں کے پھر دل میں ایک زبردست تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اور چونکہ کوئی فعل بغیر فاعل کے اور تحریک بغیر محرک کے نہیں ہوتی۔ اس لئے ہمیں مجبوراً تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ اس تحریک کا بھی کوئی

محرک ہے۔ اور ان بدیوں میں گرفتار آدمی کو نیکی کی طرف توجہ دلانے والی بھی کوئی ہستی ہے۔ اور اسی ہستی کو اسلامی اصطلاح میں ملائکہ کہتے ہیں۔ اور ملائکہ کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ کام سپرد ہے۔ کہ وہ اس کے بندوں کو نیک کاموں کی ترغیب دیں۔ اور بدی میں گرفتاروں کو نیکی کی تحریک کریں۔ غرض یہ جو بیٹھے بیٹھے بغیر کسی ظاہری محرک کے اچانک، انسان کے دل میں نیک، کام کرنے اور لوگوں سے حسنِ سلوک کرنے کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ یہی فرشتوں کے نورانی وجود کی ایک زبردست دلیل ہے۔ کیونکہ اگر فرشتوں کو اس نیکی کا محرک نہ مانا جائے۔ تو پھر اور کون محرک ٹھہر سکتا ہے۔ کیا کوئی انسان محرک ہوتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ بُری مجلس میں تو اہل مجلس برائیوں کی تحریک کرتے ہیں۔ مگر پھر ایک شخص کو ان میں سے نیکی کی تحریک کا ہونا انسانی تحریک کس طرح قرار دی جاسکتی ہے :

اگر کہو کہ دماغ میں خود خیال پیدا ہُوا۔ اور خود انسانی دماغ ایسی تحریکوں کا محرک ہوتا ہے۔ تو یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ جب ایک بری مجلس میں ایک شخص کو نیکی کی تحریک ہوتی ہے۔ تو تحریک کے وقت سے پہلے بھی تو اس شخص کا دماغ موجود تھا۔ مگر پہلے تحریک نہیں ہوئی۔ اس لئے معلوم ہُوا۔ کہ دماغی تحریک نہیں۔ کیونکہ دماغ تو تحریک سے پہلے بھی اپنا

کام کر رہا تھا۔ پہلے کیوں نہ تحریک کی۔ بلکہ تحریک سے پہلے تو دماغ بھی بدیوں میں ممد تھا۔ اور برائیوں کے نئے نئے طریقے سکھاتا تھا۔ اسلئے معلوم ہُوا۔ کہ نیکی کی اچانک تحریک کا محرک دماغ نہیں ہوتا۔ سو ملائکہ کے وجود کی چوتھی زبردست دلیل کے لئے ہم نیکی کی تحریک کو پیش کرتے ہیں۔ اور فرشتوں کے ایک منکر کو ہم کہتے ہیں۔ کہ ملائکہ وہ نورانی ہستیاں ہیں۔ جو انسانوں کو نیکی اور عمدہ کاموں کی وقتاً فوقتاً تحریک کرتی ہیں۔ اور جو شخص اُن پر عمل کرتا ہے۔ اور اُن کی تحریکوں سے متاثر ہو جاتا ہے۔ اس سے ان فرشتوں کا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ اور وہ آئے دن اسے نیک تحریکیں کرتے ہیں۔ اور جوں جوں وہ شخص اُن پر عمل کرتا ہے۔ توں توں وہ بھی تحریکوں میں زیادہ زور دیتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایسا شخص بدیوں سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص باوجود ملائکہ کی تحریک کے اُن پر عمل نہیں کرتا۔ تو ملائکہ کی طرف سے اسے دن بدن کم تحریکیں ہوتی ہیں۔ اور ایک دن ایسا آتا ہے۔ کہ وہ محض شرارت مجسم بن جاتا ہے

غرض یہ بات ہر شخص کے تجربہ میں آتی ہے۔ کہ بعض دفعہ بغیر کسی ظاہری محرک کے خود بخود اچانک نیکی کی تحریک ہوتی ہے۔ اور چونکہ کوئی کام بغیر کسی علت کے نہیں ہوتا۔ اس لئے ماننا پڑتا ہے۔

کہ کوئی نورانی ہستی اس خیر اور نیکی کی محرک ہے۔ اور اسے ہی اسلامی اصطلاح میں ملک کہتے ہیں ؂

پانچویں دلیل۔ دُنیا میں بہت سی چیزیں اپنے اثرات سے اور نتائج سے اپنے ہونے کا ثبوت دیتی ہیں۔ دیکھو سنکھیا ایک خوفناک زہر اور سم قاتل ہے۔ مگر اس کا خطرناک یا مہلک ہونا اس کے دیکھنے سے معلوم نہیں ہوتا۔ اور نہ اس کی شکل اس کے سم قاتل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ بلکہ جس نے پہلے کبھی سنکھیا نہ دیکھا ہو۔ وہ اسے دیکھکر کبھی یہ خیال نہ کریگا کہ یہ کوئی مہلک چیز ہے۔ بلکہ ہو سکتا ہے۔ کہ وہ ایک معمولی بے ضرر چیز سمجھ کر یا کسی اور چیز کے دھوکہ میں اسے استعمال کرلے۔ اور ہلاک ہو جاوے۔ غرض سنکھیا کا خطرناک اور زہر قاتل ہونا اس کی شکل یا اس کے دیکھنے سے معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے اثرات اور اس کے استعمال کے نتائج اس کے خوفناک ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم بھی فرشتوں کے وجود کی پانچویں دلیل فرشتوں کے اثرات اور ان کے اعمال کے نتائج کو پیش کرتے ہیں۔ دیکھو رسول اللہ صلعم دشمنوں کے ظلم سے تنگ آکر مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لے گئے۔ اور صحابہ کو بھی ہجرت کا حکم دیا۔ مگر وہاں جاکر بھی کفار نا ہنجار نے چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اور دھوم دھام سے ایک

لشکر جرار لے کر بدر کے مقام پر مسلمانوں کی بیخکنی کے لئے چڑھ آئے مگر مسلمان نہایت کمزور تھے۔ نہ ان کی تعداد زیادہ تھی۔ نہ وہ جنگجو سپاہی تھے۔ نہ ان میں زبردست عصبیت تھی۔ نہ اُن کے پاس ہتھیار اور اعلیٰ سامان تھے۔ اور نہ مسلمانوں میں لڑنے کی ہمت تھی۔ بلکہ وہ چاہتے کہ کسی طرح لڑائی کی نوبت ہی نہ آوے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کی حالت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتا ہے۔ وان فریقاً من المومنین لکارھون۔ یعنی بہت سے مومن جنگ بدر میں کافروں سے لڑنے سے ہچکچاتے تھے۔ مگر دنیا نے دیکھ لیا۔ کہ اس جنگ کا کیا نتیجہ ہوا اور کفار نا ہنجار نے کیسی فاش شکست کھائی۔ اور اسلامی جماعت نے کیسی نمایاں فتح حاصل کی۔ اور کفار کا تمام زور و غرور کس طرح توڑا گیا کیا یہ مسلمانوں کی اپنی طاقت کا نتیجہ تھا؟ ہرگز نہیں یا کیا مسلمانوں کے اعلیٰ سامان اس کا موجب تھے؟ ہرگز نہیں۔ پھر کیا وجہ۔ کہ مسلمان کمزور غریب۔ بے ہتھیار۔ بے سامان ہو کر کفار پر غالب آگئے۔ اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہونی چاہیئے۔ کیونکہ کوئی کام بغیر وجہ اور علّت کے نہیں ہوتا اس جنگ میں فتح پانا۔ نہ تو مسلمانوں کی کثرت نہ ہمت نہ عصبیت اور نہ سامان کی وجہ سے تھا"۔ بلکہ اس کی حقیقی وجہ خود اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں ان الفاظ فرماتا ہے :-

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ج فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ
رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ط بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا
وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ
بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۵ پارہ ۴ ع ۴

یعنی اے مسلمانو! تم جنگ بدر کو یاد کرو۔ جب تم نہایت کمزور اور ضعیف تھے۔ جب تمہیں رسول کے ذریعہ اللہ تعالےٰ نے بشارت دی۔ کہ تین ہزار فرشتے تمہاری مدد کیلئے اللہ تعالیٰ نے بھیجے اور انہوں نے تمہارے دل کو مضبوط کیا اور کافروں کے دل میں تمہارا رعب ڈالا اور یہ فتح تمہارے زور یا طاقت کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ الٰہی مدد ہے۔ جو فرشتوں کے ذریعہ تمہارے شامل حال ہوئی۔ پھر جنگ بدر کے بعد ایک ایسا موقعہ آیا۔ کہ دس ہزار کافروں کا لشکر بڑے کرّوفر سے مدینہ پر چڑھ آیا۔ اور آیا بھی اس نیت سے کہ مسلمانوں کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دینگے اور صفحہ ہستی پر اسلامی جماعت کا نام و نشان بھی نہ رہے گا۔ دوسری طرف مسلمان تعداد میں بھی تھوڑے تھے۔ اور سامان بھی ان کے پاس نہ تھا۔ باہر نکلکر مقابلہ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ مجبوراً ایک خندق کھود کر شہر کے اندر محصور ہو گئے۔ باہر کا دس ہزار کا لشکر پڑا ہے۔ اندر سے ایک اور گل کھلتا ہے۔ وہ یہ کہ شہر میں جو یہودیوں کا قبیلہ رہتا تھا۔ وہ باغی ہو گیا۔

اب مسلمانوں کی مصیبت کا اندازہ آپ اپنے دل میں لگائیے۔ کہ ان بیچاروں کی کیا حالت ہوگی۔ باہر دس ہزار درندے کھڑے ہیں۔ اندر مار آستین کا خطرہ ہے۔ نہ اس وقت مسلمانوں کی اسقدر تعداد ہے کہ فتح کا خیال کریں نہ سامان میں کوئی عمدگی ہے۔ کہ شکست سے امن میں ہوں۔ نہ شہر کے لوگوں پر بھروسہ ہے۔ کہ ایک طرف توجہ کر کے صرف باہر والوں کا مقابلہ کریں۔ اگر باہر والوں کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ تو یہودیوں سے خطرہ ہے۔ کہ ابھی مال اسباب لوٹ کر اور ہمارے بیوی بچوں کو قید کر کے قلعہ بند ہو جاوینگے اور اگر یہودیوں کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ تو خطرہ ہے کہ وہ لشکر جرّار سیلاب کی صورت میں ابھی شہر کو ڈبو دے گا۔

غرض نہ باہر جا سکتے ہیں۔ نہ اندر ٹھہر سکتے ہیں۔ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مصیبت کا نقشہ ان لفظوں میں کھینچتا ہے۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ
الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۵
هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۵ (پارہ ۲۱) ع

یعنی وہ وقت یاد کرو۔ جب تم پر دشمن باہر سے چڑھ آیا۔ اور اندر سے بھی دشمن نے سر نکالا۔ تمہاری آنکھیں کج ہو گئیں تمہارے دل دھڑکتے ہوئے گلے تک آ گئے۔ تم اللہ تعالےٰ کے متعلق بڑے بڑے گمان کرنے لگے۔ اس

وقت مومنوں کی جماعت پر بڑا ابتلا آیا۔ اور ایک خطرناک زلزلہ اُن پر آیا۔ لیکن اس لڑائی کا کیا نتیجہ نکلا۔ کیا زبردست دشمن اندر گھس آیا۔ کیا یہودی بغاوت کامیاب ہوگئی۔ کیا مسلمانوں کا نام صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ کیا اسلامی جماعت مغلوب ہوگئی ہرگز نہیں۔ تو پھر کیا ہوا۔ یہی کہ باہر کا لشکر بھاگ گیا۔ دس ہزار آدمی بے سروسامان حیران پریشان ہو کر مغلوب ہوگئے۔ شہر کی بغاوت مٹا دی گئی۔ قلعہ بند یہودی پکڑ کر بغاوت کے جرم میں ہلاک کر دئے گئے۔

کیا یہ نتیجہ ایک مادی آدمی کی آنکھوں کو خیرہ کرنیوالا نہیں؟ کیا اسباب اور علل پر ہی سارا انحصار سمجھنے والے اس نتیجہ سے حیران نہیں؟ ہیں اور ضرور ہیں۔ اور معاملہ کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرنیوالا انسان ہم سے سوال کرتا ہے کہ اس جنگ میں خلاف توقع اور خارق عادت طور پر مسلمانوں کی فتح کے کیا اسباب ہیں۔ اس کے جواب میں ہم وہی وجہ پیش کرتے ہیں۔ جو قرآن مجید میں اللہ تعالے نے مسلمانوں کو بتائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا (پارہ ۲۱ رکوع ۱) یعنی اے مسلمانو! اللہ تعالے کا وہ احسان یاد کرو۔ جب کہ تم پر بڑے بڑے لشکر چڑھ آئے تھے۔

اور تم ان کے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے تھے اور دنیوی اسباب تمہاری مدد کے لئے تیار نہیں تھے۔ اس وقت اللہ تعالے نے ہوا کے ذریعہ تمہاری مدد کی جس نے کافروں کے خیمے اڑا دئے۔ اور فرشتوں کے ذریعہ تمہاری نصرت کی۔ جنہوں نے کفار کو بھگا دیا۔ اور ان کے دلوں میں رعب ڈالا۔ اور تمہاری سرزمین سے انہیں نکالدیا۔ دیکھئے یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ایسے خوفناک موقعہ پر تمہاری ہمت نہ تھی۔ کہ کافروں کو بھگا دیتے۔ بلکہ اللہ تعالےٰ نے مہربانی فرما کر فرشتوں کا ایک لشکر بھیجا۔ جو تمہاری مادی آنکھوں سے نظر نہیں آتا تھا۔ اس نے ان کفار کو تم سے بھگا دیا۔ اور اس طرح پر تم تباہ ہونے سے بچ گئے۔ یہاں پر خدا تعالے نے ایک عجیب اشارہ یہ کیا۔ کہ وہ فرشتے تم کو نظر نہیں آتے تھے۔ اس لئے تم انکار نہ کر بیٹھنا۔ کیونکہ تمہیں فتح دیکر اور کفار کو شکست دیکر انہوں نے اپنے اثرات اور اپنے اعمال کے نتائج سے تم پر ثابت کر دیا کہ وہ وجود رکھتے تھے۔ کیونکہ اگر واقعہ میں ان کا کوئی وجود نہیں۔ تو بتاؤ دس ہزار آدمیوں کو کس نے بھگا دیا۔ کیا خود بخود گئے؟ نہیں۔ کیونکہ وہ تو مرنے مارنے کی نیت سے آئے تھے۔ یا کیا تم نے زور بازو سے بھگا دیا؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ تم ڈر کے مارے اندر بیٹھے تھے۔ پھر وہ جو بھاگ گئے۔ تو کوئی نہ کوئی سبب

اور موجب ماننا پڑے گا۔ سو قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے اس فتح کا
سبب اور موجب فرشتوں کو ٹھہرایا ہے۔

پھر اس کے بعد جب جنگ حنین کا موقعہ آیا۔ اور عُجب کی سزا میں
صحابہ میں کھلبلی مچ گئی۔ اور مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اور رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف ۱۲ آدمی رہ گئے۔ اور کفار نے پورا
غلبہ پالیا۔ اس وقت اچانک لڑائی کا رنگ فوراً بدل گیا۔ اور چھوٹے
بڑے ہو گئے اور بڑے چھوٹے ہو گئے۔ فتح کرنیوالے مفتوح اور مغلوب
غالب ہو گئے۔ صحابہ کے پیر جمنے لگے اور کافروں کے پیر اکھڑنے شروع
ہو گئے۔ اور بھاگنے والے مسلمانوں نے بھگانے والے کافروں کو چشم زدن
میں بھگا دیا۔ اور سینکڑوں آدمی قید کئے۔ اور تمام علاقہ پر قبضہ کر لیا۔

اس کی کیا وجہ ہے۔ اور کیا سبب ہے۔ کہ جنگ کا رنگ ایک لمحہ
میں بدل گیا۔ سو اس کی وجہ خود عالم الغیب والشہادۃ خود بیان
فرماتا ہے۔ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۔ پارہ ۱۰ غ ۱۰۔ یعنی اس لڑائی میں بھی تم
زور بازو سے فتحیاب نہیں ہوئے۔ بلکہ فرشتوں کا ایک لشکر تھا۔ جس
نے تمہاری مدد کی۔ پھر اسی طرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خفیہ
طور پر مکہ والوں کے ظلم سے تنگ آکر مدینہ کی طرف صرف حضرت

ابوبکرؓ کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے۔ تو پتہ لگنے پر کفار چاروں طرف سے
دوڑ پڑے۔ اس پر رسول صلعم کو ایک غار میں پناہ لینی پڑی۔ مگر تب بھی
بعض کافر غار ثور تک پہنچے۔ اور کہا۔ کہ محمد (صلعم) اور ابوبکرؓ کے پاؤں
کے نشاں یہاں تک ختم ہوتے ہیں۔ ہو نہ ہو دونوں اسی کے اندر ہیں۔
اور یہ گفتگو حضرت ابوبکرؓ اور رسول صلعم نے سُنی۔ مگر قدرت خدا کہ وہ
کافر غار میں داخل نہیں ہوئے۔ اور جب آپ غار سے نکلکر مدینہ تک
گئے ہیں۔ تب بھی کسی نے آپ کو نہیں دیکھا۔ حالانکہ انعام کی طمع میں
سینکڑوں آدمی آپ کی تلاش میں نکلے ہوئے تھے۔ مگر سب کی آنکھوں
پر پردہ ڈالا گیا۔ اور ان کی آنکھیں آپ کے دیکھنے سے گویا اندھی کر
دی گئیں؛

اب بتاؤ کہ کیا یہ کام انسانی طاقت سے ہوا؟ ہرگز نہیں۔ یا کیا
مادی اسباب کی تائید سے یہ سب کچھ ہوا؟ ہرگز نہیں بلکہ انسانی کوششیں
اور مادی اسباب تو آپ کے خلاف تھے۔ پھر یہ کیوں ہوا؟۔ اور
اس کی وجہ بھی وہی فرشتوں کی مدد ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ پارہ ۱۰
رکوع ۱۲ فرماتا ہے:۔ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا
فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا
یعنی اس کی وجہ بھی صرف فرشتوں کی مدد ہے۔ غرض پانچویں دلیل

فرشتوں کے وجود کی یہ ہے۔ کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنے اثرات سے اور اپنے خارق عادت افعال کے نتائج سے دنیا پر اپنی ہستی کا ہونا ثابت کرتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ بدرؓ۔ خندقؓ۔ حنینؓ اور ہجرتؐ کے واقعات نے دنیا کو دکھلا دیا کہ جو کام مادی اسباب سے نہ ہوسکیں۔ اور جو سانحات دنیوی علل سے ظہور پذیر نہ ہوں۔ وہ خدا تعالےٰ فرشتوں کے ذریعہ رونما کرتا ہے۔

چھٹی دلیل۔ دنیا میں ہر ایک بات ایک ترتیب سے ہے۔ اور ہر کام کسی نہ کسی ترتیب کے ماتحت ہو رہا ہے۔ انسانی پیدائش ہی کی طرف دیکھو۔ ابتداء میں پانی کا ایک قطرہ ہوتا ہے۔ لیکن ایک وقت آتا ہے۔ کہ وہی قطرہ ایک ایسے شان و شوکت اور قوت والے وجود میں منتقل ہو جاتا ہے۔ جس سے فوکزہ موسیٰ فقضیٰ علیہ بھی کوئی تعجب انگیز بات نہیں خیال کی جاتی۔ لیکن کیا یہ ترقی یکدفعہ ہو گئی۔ اور یہ تغیر اچانک تھا؟ نہیں۔ بلکہ بہت دیر کے بعد ایک ترتیب کے ماتحت انسانی پیدائش کا پہلا زینہ منی کا ایک قطرہ تھا۔ پھر وہ علقہ بنا۔ پھر مضغہ پھر کسونا العظام لحماً کا مرتبہ آیا۔ پھر انشأناہ خلقا اٰخر کا دور آیا۔ اور وہ ماں کے پیٹ سے نکلا۔ اس پر بھی وہ مدت تک نہ چل سکتا تھا۔ نہ بات چیت کر سکتا تھا۔ کالمیت تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ وہ ترقی کرتا کرتا بلوغت

کے بعد ایک کامل قوی مرد بن گیا۔ اسی طرح ترقی مدارج کو لو۔ بادشاہ انسانی سوسائٹی کا اعلےٰ عہدہ دار ہے۔ وہ کبھی ہر شخص سے بات نہیں کرتا۔ بلکہ صرف ایسے شخصوں سے ہمکلام ہوتا ہے۔ جن کا عہدہ اور مرتبہ اس کے عہدہ اور مرتبہ کے قریب اور ان سے مناسبت رکھتا ہو۔ جیسے وزیر اعظم سفراء۔ وزراء۔ نواب وغیرہ وغیرہ۔ پھر وزیر اعظم بھی ہر شخص سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ صرف انہی سے جو اس سے مناسبت رکھتے ہوں۔ پھر اس سے اتر کر ملکی اور فوجی عہدہ دار بھی اپنے اپنے حلقہ کے اندر اپنے تعلقات محدود رکھتے ہیں۔ اور بادشاہ جو حکم اپنی رعایا کے نام صادر کرتا ہے۔ وہ وزراء اور گورنروں اور ڈپٹی کمشنروں کے ذریعہ سے ہی اپنی رعایا کو پہنچاتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالےٰ بھی جو سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اپنے احکام اور قوانین اسی ترتیب سے نازل کرتا ہے اور چونکہ وہ وراء الوریٰ ہستی ہے۔ اور تجسم سے بالکل پاک ہے۔ اس لئے وہ اپنے احکام ایسی ہستیوں کو دیتا ہے۔ جو اس کی طرح نہاں اور ان جسمانی آنکھوں سے نظر نہیں آتیں۔ لیکن کبھی کبھی تمثیل کے رنگ میں جسم اختیار کر سکتی ہیں۔ اور وہ ہستیاں الٰہی احکام نبیوں کے پاس لاتی ہیں جو بالکل مجسم ہوتے ہیں۔ لیکن روحانی تعلقات خدا سے ہوتے ہیں۔ پھر وہ نبی اللہ تعالےٰ کا وہ پیغام ان بندوں کو پہنچاتے ہیں۔ جو

مجسم ہوتے ہیں۔ اور روح کے لحاظ سے بھی ان کا کوئی تعلق خُدا سے نہیں ہوتا۔ غرض دنیا میں ہر چیز کا باقاعدہ نظام کے ماتحت ہونا اور بادشاہوں کے احکام کا ایک ترتیب سے رعایا تک پہنچنا دلالت کرتا ہے کہ الٰہی احکام کی کسی نہ کسی ترتیب سے ہم تک پہنچنے چاہئیں اور واقعہ میں ایسا ہوتا ہے۔ وہ خُدا جو نہاں در نہاں ہے اور کبھی مجسم نہیں ہو سکتا وہ اپنا پیغام ایسی ہستی کو دیتا۔ جو نہاں در نہاں تو ہوتی ہے۔ اور مجسم نہیں ہوتی۔ مگر کبھی کبھی مجسم ہو سکتی ہے۔ (اور ایسے ہی ہم فرشتہ یا ملک کہتے ہیں)

پھر وہ ہستیاں خدا کا پیغام نبیوں کو پہنچاتی ہیں۔ جو من وجہ مجسم اور من وجہ روحانی ہوتے ہیں۔ پھر وہ انبیاء اُن احکام کو عام بندوں کو سناتے ہیں۔ جو ہر طرح جسمانی ہوتے ہیں؛

غرض تربیت کا اصول دلالت کرتا ہے۔ کہ انبیاء اور خُدا کے درمیان بھی وسائط ہونے چاہئیں۔ اور انہی کو ہم ملائکہ کہتے ہیں۔

ایک غلطی کا ازالہ

اس کے بعد میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ کہ سیّد احمد خانصاحب اور ان کے ہمخیال یہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ ملائکہ کوئی مستقل وجود نہیں رکھتے۔ اور نہ واقعہ میں کوئی خاص ہستیاں ہیں۔ بلکہ قرآن مجید میں ملائکہ کوئی مستقل وجود نہیں رکھتے۔

اور نہ واقعہ میں کوئی خاص ہستیاں ہیں۔ بلکہ قرآن مجید میں ملائکہ سے مراد قویٰ ہیں۔ اور جو قوتیں انسان میں ہیں۔ انہیں ہی دوسرے لفظوں میں فرشتوں اور ملائکہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ مگر سید صاحب کا یہ خیال ایک بالکل سطحی خیال ہے۔ جس کی تردید کے لئے قرآن مجید کی صرف ایک آیت کافی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ؕ قَالُوٓا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ (پارہ ۱ ع ۴) یعنی آدم کے پیدا کرنے سے پہلے ہم نے فرشتوں کو کہا۔ کہ ہمارا ارادہ ہے۔ کہ ہم زمین میں اپنا خلیفہ یعنی آدم کو پیدا کریں۔ اب اگر یہ تسلیم کر لیا جائے۔ کہ ملائکہ سے مراد انسان کی قوتیں ہیں۔ تو یہ خیال اس آیت سے باطل ہوتا ہے۔ کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ انسان ابھی پیدا بھی نہیں ہُوا تھا۔ اس وقت ہم نے فرشتوں پر اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ بھلا اگر ملائکہ سے مراد انسانی قوتیں ہیں۔ تو وہ تو انسان کے پیدا ہونے پر اسے ملیں وہ انسان سے پہلے کہاں تھیں۔ کیونکہ قوت ایک صفت ہے۔ اور صفت کبھی موصوف سے پہلے نہیں ہوتی۔ اور موصوف یہاں پر انسان ہے۔ وہ ابھی پیدا نہیں ہُوا۔ تو وہ قوتیں کونسی ہیں۔ جن کے آگے اللہ تعالٰے اپنا ارادہ پیش کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہُوا۔ کہ انسانی قویٰ کا نام ملائکہ

نہیں۔ بلکہ ملائکہ ایسی ہستیاں ہیں۔ جو انسانی پیدائش سے بھی پہلے سے موجود ہیں۔ پھر اس آیت کا اگلا حصّہ بھی واضح کرتا ہے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ انسان کے پیدا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہم تیری تحمید و تقدیس کرتے ہیں۔

دیکھئے اگر انسان کی ہی قوتوں کا نام ملائکہ ہے۔ تو وہ تو انسان سے پہلے نہ تھیں تحمید اور تقدیس کون کرتا تھا۔ تو آگے چلکر فرماتا ہے۔ کہ ملائکہ چیزوں کے نام نہ بتا سکے۔ مگر آدمؑ نے بتا دئے۔ اس سے بھی معلوم ہُوا۔ کہ ملائکہ کچھ اور ہیں۔ اور انسانی قویٰ کچھ اور۔ کیونکہ علم بھی ایک قوت ہے۔ تو آیت کے یہ معنی ہوئے۔ آدم کے علم کی قوت کچھ نہ بتا سکی۔ اور آدمؑ نے بتا دیا۔

دیکھو کیا یہ ایک بیہودہ بات نہیں۔ اس سے معلوم ہُوا۔ کہ انسانی قویٰ کا نام ملائکہ نہیں۔ بلکہ وہ مستقل وجود رکھنے والی ہستیاں ہیں جو اس زمانہ سے موجود ہیں۔ جب کہ ابھی انسان پیدا بھی نہیں ہُوا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

قرآن کامل الہامی کتاب ہے

ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ قرآن کریم اُن تمام کتابوں سے جو دنیا کی ہدایت کیلئے آئیں سب سے افضل اور اکمل اور اعلیٰ ہے۔ اور اسی کی اتباع تمام عالم کو کرنا ضرور ہے۔ اس مدعا کے اثبات کے لئے صرف یہ کہہ دینا کہ یہ افضل ہے کافی نہیں۔ جب تک کہ کچھ ایسے معیار نہ ہوں جن پر پرکھنے سے کتاب کی عظمت اور کمال یا اس کے خلاف ظاہر ہو سکے۔ چنانچہ ہم ذیل میں بارہ معیار پیش کرتے ہیں۔ جو کہ عین عدل و انصاف اور عقل سلیم اور اور نقل صحیح پر مبنی ہیں۔ اور ہم نے اس بات کا التزام کیا ہے۔ کہ جو بات ہم پیش کریں۔ وہ اسی کتاب سے پیش کریں۔ جس کے کامل ہونے کے ہم مدعی ہیں۔ پس ذیل میں وہ معیار پیش کئے جاتے ہیں۔

معیارِ اوّل۔ وہ کتاب ایسی کامل اور مکمل ہو کہ وہ ہر ایک دعویٰ جو ضروریاتِ مذہب میں سے ہے۔ اس کو خود بیان کرے۔ اور اس پر دلائل و براہین بھی خود قائم کرے۔ وہ کسی انسانی وکالت کی محتاج نہ ہو۔ کہ دعویٰ تو خود پیش کرے۔ اور دلیل کے لئے اس کے پیرو بطور

وکیل کے کھڑے ہوں۔ پس ایسی کتاب جو دلائل چھوڑ دعوے تک
کرنے کی روادار نہ ہو۔ اس کی نسبت دعوے کمال کرنا کسی طرح درست
نہیں اور نہ وہ اس قابل ہے کہ اس کو کسی قسم کی وقعت دی جائے
چنانچہ اس اصل کو قرآن کریم میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے
شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ هُدًی لِّلنَّاسِ
وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ط (پارہ ۲ ع ۷) اس آیت میں
قرآن کریم کے متعلق یہ بتلایا گیا ہے۔ کہ قرآن کریم کی وہ شان ہے
کہ وہ ہدایت کی باتیں یعنی دعادی اور ہدایت کے ثبوت یعنی دلائل
وبراہین اور فیصلہ یہ تینوں کام قرآن کریم کرتا ہے۔ ہدایت کی بات
پیش کرتا اور پھر اس پر دلائل قائم کرتا۔ پھر اس کے بعد نتیجہ نکال
کر اس کا فیصلہ کرتا ہے۔ یہی تین امر ہیں جن کی انسان کو ضرورت ہے
اب سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ آیا قرآن کریم کا یہ دعوے بھی ہے
کہ وہ خدا کی طرف کل جہانوں کے لئے رہنما ہے۔ سو اس دعوے
کے ثبوت کے لئے مندرجہ ذیل آیات پیش کی جاتی ہیں :۔

(۱) تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ۵ (ابتداء سورۃ زمر پارہ ۲۳)
(۲) الٓمّٓ ۵ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۵ (پارہ ۲۱ سورۃ سجدہ)
(۳) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ۵ (پارہ ۲۲ ع ۳)

(۴) قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا (پارہ ۹ ع ۱۰)
(۵) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۵ (پارہ ۳۰ ع ۷)
(۶) وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ
لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا (پارہ ۷ ع ۱۷)

ترجمہ

(۱) اس کتاب کا نازل کرنا اس ذات پاک کی طرف سے ہے۔ جو تمام صفات
کاملہ سے متصف جس کا نام اللہ ہے۔ جو کہ غالب ہے تمام کائنات پر
جو حکیم ہے۔ کہ ذرّے ذرّے کی کنہ سے واقف ہے۔
(۲) اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب تمام جہانوں کے رب کی طرف سے
نازل ہوئی ہے۔
(۳) اے رسُول ہم نے تجھے تمام لوگوں کیلئے بشیر و نذیر مقرر کرکے بھیجا ہے
(۴) کہدے۔ اے تمام جہان کے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغام
لے کر آیا ہوں۔
(۵) یہ کتاب تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے۔
(۶) یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے۔ تمام برکتوں اور خوبیوں سے
بھری ہوئی ہے۔ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی تاکہ
اس کے ذریعہ تمام بستیوں کی ماں اور اس کے گرداگرد کے تمام

لوگوں کو بیدار کیا جائے۔

قرآن کے منجانب اللہ دعوے ثابت کرنے کے بعد اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ جامع اور کامل ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل قرآنی آیت میں یہ دعویٰ بھی پایا جاتا ہے:۔

(۱) يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝ (سورۃ بینہ)

(۲) وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (پارہ ۱۴ رکوع ۱۵)

(۳) اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ۝ (پارہ ۶ ع ۴)

(۴) مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (پارہ ۷ ع ۴)

ترجمہ

(۱) ایسے صحیفے وہ تمہیں سنا رہا ہے۔ جو ہر ایک انسانی خیال اور شیطانی دخل سے پاک ہیں۔ جن میں کہ تمام وہ کتابیں جو کہ مضبوط اور محکم ہیں سب موجود ہیں۔

(۲) اور ہم نے تجھ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جو بیان کرنیوالی اور ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے ان لوگوں کے لئے جو فرمانبرداری اختیار کریں۔

(۳) آج ہم نے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔

(۴) ہم نے اس کتاب میں کسی قسم کی کمی نہیں چھوڑی

چنانچہ جو شخص قرآن کریم کا مطالعہ کرے گا۔ اس پر روشن ہو جائیگا کہ اس کتاب میں دلائل ہستی باری۔ ضرورت الہام و دیگر اصول و فروع ملی ہیں۔ چنانچہ قانونِ شادی کہ کس عورت سے نکاح جائز ہے۔ اور کس سے نہیں۔ اور قانونِ وراثت اور تدبیر منزل یعنی خانہ داری سیاست اور پہلے مذاہب میں اختلافات کا فیصلہ۔ غرض حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ضروری پہلوؤں پر مفصل بحث ہے۔

دوسرا معیار کامل کتاب ایسی زبان میں نازل ہونی چاہیئے جو کسی نہ کسی ملک کی بولی ہو۔ تاکہ اس کتاب کے فہم میں اور اس کے الفاظ کی تفسیر میں محض خیالات پر بنیاد نہ رکھی جائے بلکہ اس کامل اور زندہ کتاب کے لئے زندہ زبان کا ہونا ضروری ہے پس ایسی کتاب جس کی زبان کسی ملک اور کسی شہر میں بولی نہیں جاتی۔ اس کا وجود و عدم برابر ہے۔ چنانچہ قرآن کریم اس اصل کی طرف آیات ذیل میں رہنمائی کرتا ہے۔

(۱) اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (پارہ ۱۲ ع ۱۱)

(۲) بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝ (پارہ ۱۹ ع ۱۵)

ترجمہ۔ (۱) ہم نے اس کتاب کو عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ تاتم سمجھو۔

(۲) عربی زبان میں ہے۔ جو زبان کہ نہایت کھولکر بیان کرنیوالی

کیسی فضیلت اور کمال اس کتاب کو حاصل ہے۔ کہ جو ایسی زبان میں

ہوئی جو بلاغت و فصاحت میں اپنے مافی الضمیر کے اظہار کرنے میں یکتا

اور پھر وہ زبان قرآنِ کریم کے نازل ہونے کے وقت اگر صرف عرب کی

قرآن کریم کے نزول کے بعد وہی زبان شام اور مصر اور الجزائر اور مختلف

کی ہو گئی۔ اگر یہ زبان مردہ ہوتی تو قرآن کریم کا یہ دعویٰ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ

کہ ہم نے اس کو عربی زبان میں اس لئے نازل کیا تاکہ تم سمجھو صحیح نہ رہتا

کسی ایسی زبان میں نازل ہوتا۔ جو کسی ملک کی زبان نہ ہوتی۔ تو اس کے

کے لئے دوسری زبان میں جس کو انسان سمجھ سکتے خدا کو ترجمہ کرنا پڑتا

پہلی زبان لغو ٹھہرتی۔ عقل بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ کہ کلام الٰہی زندہ

میں ہونا چاہیئے۔ جو کامل کتاب کہ تمام روئے زمین کے لئے اور

تک تعلیم دینے والی خدا کی طرف سے مقرر کی گئی ہے۔ اس کی زبان

ہمیشہ کیلئے محفوظ اور زندہ رہنی چاہیئے۔ جیسا کہ عربی زبان قرآن

کی خاطر زندہ اور محفوظ ہے۔

تیسرا معیار کامل کتاب جو کہ تمام قوموں اور زمانوں کی ہدایت کیواسطے بھیجی گئی ہو۔ اس کے واسطے ضروری

کہ اس کی حفاظت بھی خدا کی طرف سے کی جائے۔ جیسا کہ تمام قرآن

گی کا مہیا کرنا اور اُن کا محفوظ رکھنا اسی کا کام ہے۔ چنانچہ قرآن

کریم میں اس امر کا ذکر مندرجہ ذیل آیات میں بیان فرماتا ہے:۔

(۱) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (پارہ ۱۴ ع ۱)

(۲) بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (پارہ ۳۰ ع ۱۰)

(۳) اِنَّهٗ لَکِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ

وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۔ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَکِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ (پارہ ۲۴ ع ۱۹)

(۴) وَاتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْکَ مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِهٖ (پارہ ۱۵ ع ۱۶)

ترجمہ

(۱) ہم نے اس کامل نصیحت نامہ کو نازل کیا ہے۔ اور ہم ہی اس کی حفاظت

کرنے والے ہیں۔

(۲) یہ قرآن بزرگی اور عزت کا سامان ہمیشہ ہمیشہ لوح محفوظ میں رہیگا۔

(۳) اور یہ ایک معزز اور غالب کتاب ہے۔ کہ جس کے مقابل نہ باطل

ٹھہر سکتا ہے نہ اس کتاب کی کسی بات کو باطل ثابت کیا جا سکتا ہے

نہ قرآن کے نزول کے وقت اور نہ اس کے بعد قیامت تک کیونکہ

یہ تمام خوبیوں کی جامع اور تمام علوم کے سرچشمہ خدا کی طرف سے

نازل کی گئی ہے۔

(۴) تم اپنے رب کی کتاب پڑھو۔ اس کی باتوں کو کوئی شخص بدل نہیں

سکتا نہ کوئی غلط ثابت کر سکے نہ ہی مٹا سکے۔ قرآن کریم کی کیسی حفاظت فرمائی کہ لاکھوں انسانوں کو اس کا حافظ بنا دیا۔ اور ان کے لوحِ قلب میں اس کو محفوظ رکھا مخالفت کی سخت آندھیاں چلیں اور حوادثات کے سخت حملے ہوئے لیکن اس کتاب کا ایک شوشہ بھی نہ بدل سکا۔ اگر دنیا پر خدانخواستہ ایسا سیلاب آئے کہ جس سے دنیا کی تمام کتابیں نابود ہو جائیں۔ تو صرف قرآن کریم ہی وہ کتاب ہے۔ کہ جو سینوں میں محفوظ رہے گی۔

چوتھا معیار

کامل کتاب ایسے زمانہ میں آنی چاہیئے۔ کہ جس زمانہ میں گمراہی اور گنہگاری اور مفاسد بھی کمال تک پہنچ جائیں۔ کیونکہ ہر ایک چیز کی قدر و منزلت اس کی ضرورت کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔ پس کامل کتاب کا کسی ایسے زمانہ میں نازل ہونا جس زمانے میں ابھی شرارت اور بدی یا پاپ اور ظلم موجود ہی نہیں غیر ضروری اور غیر مفید ہے۔ بلکہ ایسے زمانہ میں اس کا نزول مضر ہے۔ کیونکہ مستان را سر دیا دہانیدن کا مصداق ہوگی۔ اور اُن کو ایسی چیزوں سے منع کریگی جن کا وہ نہ نام جانتے اور نہ کرنا جانتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ ان باتوں کی تحقیق میں لگ جائیں کہ زنا اور چوری کیا ہے۔ شراب اور جُوا کس چیز کا نام ہے۔ اور پھر وہ ان افعال کے مرتکب ہوں۔ ایسی کتاب کا

کیا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ معصوم بچّہ کو یہ کہنا کہ زنا مت کر۔ شراب مت پی۔ بدی کی تحریک ہے۔ چنانچہ قرآن کریم اس اصل کی طرف بدیں الفاظ توجہ دلاتا ہے:۔

(۱) ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ۝ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ ۝ (پارہ ۲۱ ع)

(۲) قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقِمُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ ۝ (پارہ ۶ ع ۱۳)

ترجمہ

(۱) براعظموں میں اور سمندروں یعنی جزائر میں خرابی اور فساد غالب آیا۔ لوگوں کی بداعمالی سے جس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ خدا انکے کچھ اعمال کی انکو سزا دیگا۔ تاکہ وہ توبہ کریں۔ ملک میں پھر کر دیکھ لو کہ قرآن کریم کے نزول سے جو پہلی قومیں ہیں۔ اُن کے آخری دن کیسے ہیں۔

اکثر مشرک ہیں۔ پس اس لئے اس کامل اور محکم دین کی طرف تو ہمہ تن متوجہ ہو۔ پیشتر اس کے کہ خُدا کی طرف سے وہ عذاب کا دن آوے۔ جس کے مقابلہ کی کسی کو تاب نہیں۔ اور نہ کوئی اس کو ہٹا سکتا ہے۔

(۲) اے اہل کتاب تم ہم سے ناراض ہو۔ حالانکہ ہم اس کو بھی مانتے ہیں۔ جو ہماری طرف نازل کیا گیا۔ اور اس کو بھی جو تمہاری طرف نازل کیا گیا۔ اور حالانکہ تم میں سے اکثروں کا یہ حال ہے کہ خُدا کی شریعت کی پابندی انہوں نے چھوڑ دی۔ جس کو تاریخ سے ادنیٰ واقفیت ہے۔ وہ جانتا ہے۔ کہ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ فداہ و ابی وامّی کی تشریف آوری سے پہلے اہل دنیا پر ایک شرک اور کفر اور ظلم کی نہایت تاریک و تار شب تھی۔ کہ یکایک علوم حقّہ کے مشرق سے اس آفتاب رحمت نے طلوع کیا۔ اور لاکھوں کو اپنے نور سے منوّر کر دیا

پانچواں معیار

وہ کتاب جس کا یہ دعویٰ ہو کہ میں کامل ہوں اور کل دنیا کی ہدایت کیلئے آئی ہوں۔ تو اُسے چاہیئے کہ وہ اپنے نزول کے بعد تھوڑے عرصہ میں دُنیا کے سامنے پیش ہو نہ یہ کہ وہ ایک ملک میں کچھ آدمیوں کے گھر میں بند رہے۔ حتیٰ کہ جو اس کے مدعی ہیں۔ ان کا اکثر حصّہ بھی اس سے

محروم ہو۔ چنانچہ قرآن اس اصل کی نسبت یوں فرماتا ہے:۔

(۱) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (پارہ ۱۷، نصف)

(۲) اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝ (پارہ ۱۷، نصف)

ترجمہ

(۱) ہم نے تجھ کو جہان پر رحمت کے لئے بھیجا ہے۔

(۲) اس میں تبلیغ ہے ایسے لوگوں کیلئے جن میں پرستش کا شوق ہے۔

اب دیکھو کہ قرآنِ کریم اپنے نزول کے بعد تیس سال کے اندر اندر کیسی سرعت کے ساتھ ایشیا۔ یورپ۔ افریقہ کے آباد اماکن میں پہنچ گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بادشاہوں کی طرف تبلیغ اسلام کے خطوط لکھ دیئے۔ اگر قرآن کریم ہزاروں سال عرب کے ایک حصّہ حجاز میں مدفون رہتا۔ اور آج ہم جیسا کہ ایک مردے کو قبر سے نکالا جاتا ہے۔ اس کو وہاں سے نکالتے اور کہتے کہ کل دُنیا کے لئے ہدایت ہے۔ تو ہر مخالف ہمارے منہ پر مارتا اور کہتا کہ سینکڑوں ہزاروں سالوں کے بعد آج تم ہی ہوئے جو کہتے ہو کہ قرآن تمام جہان کی ہدایت کیلئے ہے کہ جن پر قرآن نازل ہُوا۔ اور ان کے ساتھی اور ان کے تابعین اور تبع تابعین نے اس بات کو نہ سمجھا۔ اگر اس کی زبان اتفاق سے مردہ ہو جاتی۔ تو لوگ یہی کہتے کہ صاحب جب اہل زبان موجود تھے۔ انہوں نے تو قرآن کو حجاز

سے باہر نہیں نکالا۔ تم آج کون ہوتے۔ جو تمام دنیا کے لئے دعویٰ کرتے ہو۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ بانی اسلام نے تمام قوموں کو تبلیغ کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں قرآن کریم دُنیا کے آباد حصّوں میں پھیل گیا۔ اور تقریباً ہر ایک مشہور زبان میں اس کا ترجمہ ہو گیا۔

چھٹا معیار

جو کتاب کامل الہامی ہونے کی مدعی ہے۔ اس کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ بے مثل ہو۔ اور اس کی مثل لانے پر انسانوں میں سے کوئی قادر نہ ہو سکے۔ اس لئے قادر نہ ہو سکے کہ وہ خدا کا کلام اور وہ اپنی ذات اور صفات اور افعال میں بے مثل ہے اس لئے اس کے آثار بھی جو اس کے افعال سے ظاہر ہوتے ہیں بے مثل ہونے چاہئیں۔ جیسا کہ خدا کی خلق اور انسان کی صنعت میں فرق ظاہر ہے۔ کہ جیسے خدا درخت بناتا ہے۔ اور اُن کے پھول پھل ویسے انسان بنانے پر قادر نہیں۔ چنانچہ اس اصل کی طرف قرآن کریم کی ان ایات میں توجہ دلائی گئی ہے۔

(۱) وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا (بقرع ۳)

(۲) قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا

الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝ (بنی ع ۱۰)

ترجمہ

(۱) اگر تمہیں اس امر میں شک ہو کہ جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہو یعنی یہ شبہ ہو۔ کہ یہ اس بندہ کی اپنی ایجاد ہے۔ نہ خدا کا کلام تو تم بھی اس کی مانند کوئی سورۃ بنا کر لاؤ۔ اور اپنے گواہوں کو بلاؤ اگر تم سچے ہو۔ پس اگر تم نے اس کی مثل پیش نہ کی۔ اور یاد رکھو کہ ہرگز کبھی نہ کر سکو گے۔

(۲) اُن سے کہدے کہ اگر جن و انس مل کر یہ کوشش کریں۔ تو وہ کبھی اس کی مثال پیش نہیں کر سکتے نہ فرداً فرداً نہ ایک دوسرے کی مدد کے ساتھ۔ چنانچہ فصحاء عرب۔ اُدباء قوم اور بلغاء ملک کی زبانیں اس کلام کے مقابلہ میں گنگ رہیں۔ اور اس کتاب کے سننے سے انہوں نے اپنے مُعلّقات کو اتار پھینکا۔

ساتواں معیار

کامل کتاب کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ اس پر عمل کرنے سے کامل نمونہ تیار ہو۔ کیونکہ اگر اس کتاب کا لانیوالا ہی کامل و مکمل نہیں ہوا۔ تو کس طرح سے معلوم ہو۔ کہ وہ کتاب کامل و مکمل ہے۔ جس کتاب کے متعلق یہ دعویٰ کیا جائے کہ یہ تمام دینی امور کے بیان کرنیکی ذمہ وار ہے۔ اور اس پر عمل کرنے

سے ترقی ہوتی ہے۔ تو چاہیئے کہ اس پر عمل کرنے والے پہلے دینی ترقی
کے کامل نمونہ ہوں۔ اور ان کے حالات قومی اور صحیح تاریخ پبلک کے
سامنے پیش کرے۔ چنانچہ قرآن شریف نے اس مقصد کی طرف
آیات ذیل میں اشارہ فرمایا ہے:۔

(۱) هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ
آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ
كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ (سورہ جمعہ پارہ ۲۸)

(۲) مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ
رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ
فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا (پارہ ۲۶ سورۃ فتح کا آخر) ۱۲ ع

(۳) قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (پارہ ۳)

(۴) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (پارہ ۲۱ ع ۱۱)

(۵) وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ
اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ - پارہ ۱۱ ع ۱)

ترجمہ

(۱) اللہ وہ ذات ہے۔ جس نے ایک رسول مبعوث کیا ایسی قوم
میں جو ہر ایک خیر و خوبی سے محروم۔ نہ ان میں سلطنت نہ ان میں

پاکیزگی۔ نہ ان کی عزت نہ وجاہت نہ ان میں علم نہ حکمت اس
رسول کو اس لئے مقرر کیا ہے کہ جو ان کو پاک کریگا۔ اور ان کو کتاب
اور حکمت سکھائے گا۔

(۲) محمد اللہ کا فرستادہ ہے۔ اس لئے جو اس کے ساتھ ہوئے وہ
حق کے منکروں کے مقابلہ میں ایسے مضبوط ہیں۔ کہ اپنا اثر ڈالتے
ہیں۔ ان کا اثر نہیں لیتے۔ آپس میں رفیق در فیق ہیں۔ خدا کے آگے
گردن جھکاتا۔ اس کے آگے اپنا سر رکھنا۔ اور اس کی مہربانی اور
خوشنودی کو چاہنا ان کا کام۔ یہ وہ حالات ہیں۔ کہ ان کی تاریخ
پر نظر ڈالنے والے پر بخوبی عیاں ہیں۔

(۳) رسول تمہارے لئے کامل نمونہ ہے۔

(۴) اس لئے اے رسول تو ان لوگوں سے کہدے۔ کہ اگر تمہیں خدا طلبی
ہے۔ تو میرا نمونہ اختیار کرو۔ خدا کے پیارے بنو گے۔

(۵) صرف رسول ہی نمونہ نہیں۔ بلکہ جو اس کی طرف دوڑ کر پہنچے۔ اپنے
وطنوں کو چھوڑا۔ اور اس کی تائید میں کھڑے ہو گئے۔ وہ بھی ایسے اعلے
نمونہ ہیں۔ کہ ان کی پیروی سے خدا راضی ہوتا ہے۔ اے الست کے قبول
کرنیوالو! اور الست کے تنیا گنے والو! غور کرو کہ آنحضرت صلے
اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پہلے عرب کی کیا حالت تھی۔ اور آپ

کے آنے کے بعد وہ کس اعلیٰ مقام ترقی پر پہنچے یہ اس کامل الہامی کتاب کی تاثیر تھی۔ کہ جو ہزاروں سالوں کے روحانی مردے تھے۔ ان میں ایک دم روح پھونک کر دنیا کے لئے ان کو ایک نمونہ بنا دیا

اٹھواں معیار چونکہ مذہب کی اصل غرض خدا کو پانا ہے اسلئے کامل الہامی کتاب خدا کی قدرت اور جلال۔ عظمت اور کمال جزاء اور سزا ایسے رنگ میں بیان کرے کہ خدا کی محبت جو نیکیوں کی محرک ہے۔ وہ دل میں پیدا ہو اور اس کا خوف جو بدیوں سے مانع ہے۔ اس پر مستولی ہو تا انسان کی زندگی پاک ہو۔ قرآن کریم میں خدا تعالےٰ کی توحید اور اس کے صفات اور غیر کی عبادت سے روکنا اور شرک سے دوری کی تعلیم ایسی اعلیٰ و اکمل طور پر دی گئی ہے کہ اس سے بڑھ کر متصور نہیں ہو سکتی نمونہ کے طور پر مندرجہ ذیل آیات پیش کی جاتی ہیں:۔

(۱) قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

(۲) هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ

الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاۤءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (پارہ ۲۸ سورۃ حشر آخر)

(۳) قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ (پارہ ۱۳ ع ۸)

(۴) لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ ۝ (پارہ ۲۴ ع ۱۸ آخر)

(۵) وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاۤءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ (پارہ ۱۷ ع ۱۹)

ترجمہ

(۱) تو کہہ کہ اللہ ایک ہے۔ وہ بے نیاز سب کا حاجت روا ہے جس نے نہ بیٹا جنا اور نہ وہ کسی کے ہاں جنا گیا۔ اور نہ کوئی اس سے کسی قسم کی برابری رکھ سکتا ہے۔

(۲) اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں غائب اور ظاہر کو جاننے والا۔ بغیر سوال کے رحم کرنے والا اور سوال پر بھی رحم کرنیوالا وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ ہر ایک نقص سے پاک ہمیشہ سلامت غیر متغیر قائم و دائم امن دینے والا نگہبان ہر ایک پر غالب۔ بے نظیر طاقت والا۔ بگڑے کی

اصلاح کرنیوالا ۔ بڑائی اور انتہائی عظمت والا بلند تر ہے اس سے کہ اس
کا کسی امر میں بھی کوئی شریک ہو وہ اللہ جو پیدا کرنیوالا صورت بخشنے والا۔ ہر
ایک خوبی و کمال اس میں ہے ۔ زمین و آسمان کی تمام چیزیں اس کی اس شان
کو ظاہر کر رہی ہیں ۔ وہ نہایت غالب حکمت والا ہے ۔

(۳) کہہ دے کہ ہر ایک چیز کا خالق اللہ ہے ۔ اس لئے کہ وہ ایک ہے ۔ اور
ہر ایک چیز کے اوپر قابو رکھنے والا غالب ہے ۔

(۴) اس لئے تم کسی آسمانی یا زمینی جرم کی پرستش اور سجدہ نہ کرو ۔ بلکہ
اسی کے آگے سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ۔

(۵) کیونکہ جو شرک کرتا ہے گویا وہ بلندی سے گرا جس کو پرندوں نے جھپٹ
لیا ۔ یا ہوا اس کو دور دراز جگہ میں پھینک آئی ۔

نواں معیار

کامل کتاب کی تعلیم بھی اعلیٰ و اکمل ہو ۔ جس میں یہ بتایا جائے کہ انسان اپنے نفس سے کیا معاملہ کرے ۔ اپنے
عزیز و اقارب سے کیا کیا سلوک کرے ۔ حاکم ہو تو کیا کرے ۔ محکوم ہو تو
کیا کرے ۔ غرض یہ کہ جو جو حالات انسان کی زندگی میں پیش آ سکتے
ہیں ۔ سب کے اوپر مفصل بحث کرے ۔ تاکہ نہ انسان کا اپنا حق ضائع ہو
اور نہ دوسرے کے حق کو دبانے والا ٹھہرے ۔ اس مقصد کے
بتانے کے لئے تو سارے قرآن پر نظر کرنی چاہیئے ۔ لیکن یہاں نمونہ

کے طور پر چند آیات پیش کی جاتی ہیں :-

(۱) يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (پارہ ۲۸ ع ۱۹)

(۲) وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (پارہ ۱۶ ع آخر)

(۳) وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (پارہ ۴ ع ۱۴)

(۴) وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (پارہ ۲ ع ۱۲)

(۵) اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَ
يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ (پارہ ۱۴ ع ۹)

(۶) اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا
حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ

(۷) كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (پارہ ۴ ع ۳)

(۸) وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (پارہ ۱۵ ع ۳)

(۹) وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا
تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (پارہ ۱۵ ع ۱۲)

ترجمہ

(۱) اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو جہنم کی آگ
سے بچاؤ ۔

(۲) اور اپنے متعلقین کو نماز اور دعا کا حکم کر اور خود استقلال کر۔

(۳) اور عورتوں سے حسن سلوک کا برتاؤ کرو۔

(۴) خدا حکم دیتا ہے۔ کہ تم عدل یعنی حقوق کو پورا ادا کرو۔ جو اپنے لئے پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کیلئے پسند مت کرو۔ اور احسان کا حکم دیتا ہے۔ کہ حقوق سے بڑھ کر حسن سلوک کرو۔ اس طرح مخلوقات سے محبت کرو۔ جیسے ایک ماں بچے سے بغیر غرض و مطلب ذاتی کے محبت کرتی ہے۔ اور تمہیں روکتا ہے۔ ہر ایک قسم کی بیحیائی بے غیرتی اور دیّوثی سے اور ہر ایک ظلم و زیادتی سے۔ اور حکام کی بغاوت سے۔

(۶) بے شک خدا تمہیں حکم دیتا ہے۔ کہ امانت انہیں کے سپرد کرو۔ جو اس کے اہل ہیں۔ مثلاً الیکشنوں کے موقعہ پر ایسے لوگوں کو منتخب کیا جائے جو واقعہ میں اس کام کے اہل ہوں۔ بے وجہ طرفداری نہ کی جائے۔ اور حکام کو فرمایا۔ کہ جب تم حکومت کرو۔ تو عدل و انصاف سے کرو۔

(۷) بہتر امت وہی ہے جو لوگوں سے علیحدہ سوسائٹی اس لئے قائم کرے کہ وہ تمام لوگوں کی بہبودی اور ترقی کی خواہاں ہو اس طرح کہ ہر ایک اچھی بات کا حکم کرے۔ اور ہر ایک بُری بات سے روکے۔

(۸) تمہارے رب نے یہ قطعی حکم دیا ہے۔ کہ اس کے سوا اور کی پرستش نہ کرو۔ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔

(۹) اور اپنے قریبیوں کے حقوق دو۔ جو ان کے لئے مقرر ہیں۔ اور ہر ایک مسکین مسافر کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اور خرچ کرنے میں حد اعتدال کو قائم رکھو۔ نہ تو اتنا خرچ کرو کہ کنگال ہو جاؤ اور نہ ہاتھ ایسا تنگ کرو کہ بخل کے مرض میں مبتلا ہو جاؤ۔

غرض یہ ہے کہ قرآن کریم ہی میں ہر ایک طبقہ کے لوگوں کے لئے ایسی تعلیم دی گئی ہے کہ جس پر وہ عمل کر سکیں۔ اور نہ ایسی جو صرف کانوں کو اچھی لگے :-

دسواں معیار

کامل کتاب جو سب لوگوں کے لئے ہو۔ اسکے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی تعلیم پر ہر سک و طبقہ کا انسان امیر و غریب بڑی و بحری عمل کر سکتا ہو۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ ترجمہ:- خدا اس کی طاقت سے بڑھ کر کوئی حکم نہیں دیتا۔ سو خدا تعالےٰ نے اپنے ارشاد کے مطابق عبادات نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ میں کیسی آسانی رکھی ہے۔ بیع و شری و نکاح و موت فوت کے احکام کے متعلق ترکۂ میّت میں کیسی سہولت رکھی ہے :-

گیارھواں معیار

وہ کتاب ایسے خدا کو پیش کرے۔ جو زندہ ہو۔ اور جس کی زندگی کا ثبوت تازہ بتازہ نشان ہوں۔ اور اس خدا کا مدار صرف قصّہ اور کہانیوں پر نہ ہو۔ چنانچہ جو آیات اس مدعا کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ وہ ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:-

(۱) اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُوَ
الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (پارہ ۱۱ ع ۱۲)

(۲) اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ
الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ
الَّتِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِى الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ۚ

(۳) اُدْعُوْنِىْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ

(۴) اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ
وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝ (پارہ ۲ ع ۷)

(۵) اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ (پارہ ۲۰ ع ۱)

(۶) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ وَّسَبِّحُوْهُ
بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ هُوَ الَّذِىْ يُصَلِّىْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ
لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ (پارہ ۲۲ ع ۳)

(۷) اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ
اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ (پارہ ۹ ع ۸)

ترجمہ

(۱) خبردار اللہ سے تعلق رکھنے والے ان پر نہ خوف رہتا ہے۔ اور نہ وہ غمگین رہتے ہیں۔ جو کہ ایمان لا کر پرہیزگار ہوتے ہیں۔ ان کیلئے بشارت ہوتی ہے۔ اس دُنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی خُدا کی ان باتوں کو کوئی ٹلا نہیں سکتا۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

(۲) بے شک جو لوگ کہتے ہیں۔ کہ ہمارا مربّی اور ہمارا مالک اللہ ہے۔ پھر اس بات پر استقامت اور استقلال کرتے ہیں ایسے لوگوں پر فرشتے اترتے ہیں۔ ان کو یہ بتانے کے لئے کہ تم خوف وغم نہ کرو اور بشارت ہو اس جنّت کی جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا۔ ہم تمہارے دنیا میں بھی دوست ہیں اور آخرت میں بھی۔

(۳) مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

(۴) میں ایسے دُعا کرنے والے کی دُعا کو قبول کرتا ہوں۔ جو ایسی حالت

میں پکارے کہ وہ میرا فرمانبردار ہو۔ اور مجھ پر اسے پورا بھروسہ ہو تا وہ اس نشان سے نورانیت اور رشد میں ترقی کرے۔

(۵) وہ خدا جو مضطر کی دعا قبول کرتا ہے۔ اور دکھوں کو دور کرتا ہے جب وہ اسے پکارے۔

(۶) ایمان والو اللہ کا بہت ذکر کرو اور اس کی تسبیح کرو۔ صبح شام خدا اور اس کے فرشتے تمہاری طرف ایسی خاص توجہ کریں گے کہ اندھیروں سے نور کی طرف نے جاویں گے۔

(۷) کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جسے وہ معبود ٹھہراتے ہیں۔ وہ اُن سے بات تک نہیں کرتا۔ اور نہ ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ ایسے معبود بنانا ظلم اور بے انصافی ہے۔

اب اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم لوگوں کے لئے جو اس کے واسطے سے خدا سے تعلق پیدا کرتے ہیں۔ قسم قسم کی بشارات کا وعدہ اسی دنیا میں کرتا ہے۔ کیونکہ اگر اسی دنیا میں خدا کی طرف سے کوئی بشارت نہ ملے۔ اور اس کی مہربانیوں کے تازہ نشان نہ دیکھے تو اس کا خدا سے رابطہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ فطرت انسانی نقد کو ادھار پر ترجیح دیتی ہے بلکہ ادھار کا معاملہ اسی سے ہو سکتا ہے جس سے کہ بار بار نقد لین ہو چکا ہو۔ جو ہمیشہ ادھار ہی کا معاملہ چاہے۔ اس سے کوئی سودا نہیں کرے گا۔

بارھواں معیار

جو کامل کتاب کہ ساری دنیا کے لئے ہو۔ اس میں پیشگوئیوں کا ہونا بھی ضروری ہے جو وقتاً فوقتاً پوری ہوں اور اس کتاب کے اوپر ایمان کی تازگی کا باعث ہوں۔ چنانچہ قرآن کریم کے اندر اس قسم کی پیشگوئیاں بکثرت موجود ہیں۔ جو ذیل میں مختصراً درج کی جاتی ہیں:-

(۱) وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (پارہ ۱۸ ع ۱۳)

(۲) حَتّٰى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ (پارہ ۱۷ ع ۷)

(۳) وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۝ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ۝ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۝

(۴) وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۝ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ (پارہ ۱۵ ع ۶)

(۵) مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝

نہیں۔ بلکہ ملائکہ ایسی ہستیاں ہیں۔ جو انسانی پیدائش سے بھی پہلے سے موجود ہیں۔ پھر اس آیت کا اگلا حصّہ بھی واضح کرتا ہے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ انسان کے پیدا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہم تیری تحمید و تقدیس کرتے ہیں۔

دیکھئے اگر انسان کی ہی قوتوں کا نام ملائکہ ہے۔ تو وہ تو انسان سے پہلے نہ تھیں تحمید اور تقدیس کون کرتا تھا۔ تو آگے چلکر فرماتا ہے۔ کہ ملائکہ چیزوں کے نام نہ بتا سکے۔ مگر آدمؑ نے بتا دئے۔ اس سے بھی معلوم ہوا۔ کہ ملائکہ کچھ اور ہیں۔ اور انسانی قویٰ کچھ اور۔ کیونکہ علم بھی ایک قوت ہے۔ تو آیت کے یہ معنی ہوئے۔ آدم کے علم کی قوت کچھ نہ بتا سکی۔ اور آدمؑ نے بتا دیا۔

دیکھو کیا یہ ایک بیہودہ بات نہیں۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ انسانی قویٰ کا نام ملائکہ نہیں۔ بلکہ وہ مستقل وجود رکھنے والی ہستیاں ہیں جو اس زمانہ سے موجود ہیں۔ جب کہ ابھی انسان پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

قرآن کامل الہامی کتاب ہے

ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ قرآن کریم اُن تمام کتابوں سے جو دنیا کی ہدایت کیلئے آئیں سب سے افضل اور اکمل اور اعلیٰ ہے۔ اور اسی کی اتباع تمام عالم کو کرنا ضروری ہے۔ اس مدعا کے اثبات کے لئے صرف یہ کہہ دینا کہ یہ افضل ہے کافی نہیں۔ جب تک کہ کچھ ایسے معیار نہ ہوں جن پر رکھنے سے کتاب کی عظمت اور کمال یا اس کے خلاف ظاہر ہو سکے۔ چنانچہ ہم ذیل میں بارہ معیار پیش کرتے ہیں۔ جو کہ عین عدل و انصاف اور عقل سلیم اور نقل صحیح پر مبنی ہیں۔ اور ہم نے اس بات کا التزام کیا ہے۔ کہ جو بات ہم پیش کریں۔ وہ اسی کتاب سے پیش کریں۔ جس کے کامل ہونے کے ہم مدعی ہیں۔ پس ذیل میں وہ معیار پیش کئے جاتے ہیں۔

معیارِ اوّل۔ وہ کتاب ایسی کامل اور مکمل ہو کہ وہ ہر ایک دعویٰ جو ضروریاتِ مذہب میں سے ہے۔ اس کو خود بیان کرے۔ اور اس پر دلائل و براہین بھی خود قائم کرے۔ وہ کسی انسانی وکالت کی محتاج نہ ہو۔ کہ دعویٰ تو خود پیش کرے۔ اور دلیل کے لئے اس کے پیرو بطور

وکیل کے کھڑے ہوں۔ پس ایسی کتاب جو دلائل چھوڑ دعوے تک
کرنے کی روادار نہ ہو۔ اس کی نسبت دعوے کمال کرنا کسی طرح درست
نہیں اور نہ وہ اس قابل ہے کہ اس کو کسی قسم کی وقعت دی جائے
چنانچہ اس اصل کو قرآن کریم میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے
شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ
وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ط (پارہ ۲ ع ۷) اس آیت میں
قرآن کریم کے متعلق یہ بتلایا گیا ہے۔ کہ قرآن کریم کی وہ شان ہے
کہ وہ ہدایت کی باتیں یعنی دعاوی اور ہدایت کے ثبوت یعنی دلائل
و براہین اور فیصلہ یہ تینوں کام قرآن کریم کرتا ہے۔ ہدایت کی بات
پیش کرتا اور پھر اس پر دلائل قائم کرتا۔ پھر اس کے بعد نتیجہ نکال
کر اس کا فیصلہ کرتا ہے۔ یہی تین امر ہیں جن کی انسان کو ضرورت ہے
اب سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ آیا قرآن کریم کا یہ دعوے بھی ہے
کہ وہ خدا کی طرف کل جہانوں کے لئے رہنما ہے۔ سو اس دعوے
کے ثبوت کے لئے مندرجہ ذیل آیات پیش کی جاتی ہیں :-

(۱) تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ۝ (ابتداء سورۃ زمر پارہ ۲۳)
(۲) الٓمّٓ ۝ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (پارہ ۲۱ سورۃ سجدہ)
(۳) وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ۝ (پارہ ۲۲ ع ۳)

(۴) قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (پارہ ۹ ع ۱۰)
(۵) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ (پارہ ۳۰ ع ۶)
(۶) وَهٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَکٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ
لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا (پارہ ۷ ع ۱۸)

ترجمہ

(۱) اس کتاب کا نازل کرنا اس ذات پاک کی طرف سے ہے۔ جو تمام صفات
کاملہ سے متصف جس کا نام اللہ ہے۔ جو کہ غالب ہے تمام کائنات پر
جو حکیم ہے۔ کہ ذرّے ذرّے کی کنہ سے واقف ہے۔

(۲) اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب تمام جہانوں کے رب کی طرف سے
نازل ہوئی ہے۔

(۳) اے رسُول ہم نے تجھے تمام لوگوں کیلئے بشیر و نذیر مقرر کر کے بھیجا ہے

(۴) کہدے۔ اے تمام جہان کے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغام
لے کر آیا ہوں۔

(۵) یہ کتاب تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے۔

(۶) یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے۔ تمام برکتوں اور خوبیوں سے
بھری ہوئی ہے۔ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی تاکہ
اس کے ذریعہ تمام بستیوں کی ماں اور اس کے گرداگرد کے تمام

لوگوں کو بیدار کیا جائے۔

قرآن کے منجانب اللہ دعوے ثابت کرنے کے بعد اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ جامع اور کامل ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل قرآنی آیت میں یہ دعویٰ بھی پایا جاتا ہے :۔

(۱) يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝ (سورۃ بینہ)

(۲) وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (پارہ ۱۴ رکوع ۱۸)

(۳) اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ۝ (پارہ ۶ ع ۵)

(۴) مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (پارہ ۷ ع ۴)

ترجمہ

(۱) ایسے صحیفے وہ تمہیں سنا رہا ہے۔ جو ہر ایک انسانی خیال اور شیطانی دخل سے پاک ہیں۔ جن میں کہ تمام وہ کتابیں جو کہ مضبوط اور محکم ہیں سب موجود ہیں۔

(۲) اور ہم نے تجھ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جو بیان کرنیوالی اور ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے ان لوگوں کے لئے جو فرمانبرداری اختیار کریں

(۳) آج ہم نے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔

(۴) ہم نے اس کتاب میں کسی قسم کی کمی نہیں چھوڑی

چنانچہ جو شخص قرآن کریم کا مطالعہ کرے گا۔ اس پر روشن ہو جائیگا کہ اس کتاب میں دلائل ہستی باری۔ ضرورت الہام و دیگر اصول و فروع مدلل ہیں۔ چنانچہ قانونِ شادی کہ کس عورت سے نکاح جائز ہے۔ اور کس سے نہیں۔ اور قانونِ وراثت اور تدبیر منزل یعنی خانہ داری سیاست اور پہلے مذاہب میں اختلافات کا فیصلہ۔ غرض حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ضروری پہلوؤں پر مفصل بحث ہے۔

دوسرا معیار کامل کتاب ایسی زبان میں نازل ہونی چاہیئے جو کسی نہ کسی ملک کی بولی ہو۔ تاکہ اس کتاب کے فہم میں اور اس کے الفاظ کی تفسیر میں محض خیالات پر بنیاد نہ رکھی جائے بلکہ اس کامل اور زندہ کتاب کے لئے زندہ زبان کا ہونا ضروری ہے پس ایسی کتاب جس کی زبان کسی ملک اور کسی شہر میں بولی نہیں جاتی۔ اس کا وجود و عدم برابر ہے۔ چنانچہ قرآن کریم اس اصل کی طرف آیات ذیل میں رہنمائی کرتا ہے۔

(۱) اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (پارہ ۱۲ ع ۱۱)

(۲) بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝ (پارہ ۱۹ ع ۱۵)

ترجمہ۔ (۱) ہم نے اس کتاب کو عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ تا تم سمجھو۔

(۲) عربی زبان میں ہے۔ جو زبان کہ نہایت کھول کر بیان کرنیوالی ہے۔
کیسی فضیلت اور کمال اس کتاب کو حاصل ہے۔ کہ جو ایسی زبان میں نازل ہوئی جو بلاغت و فصاحت میں اپنے مافی الضمیر کے اظہار کرنے میں یکتا ہے۔ اور پھر وہ زبان قرآنِ کریم کے نازل ہونے کے وقت اگر صرف عرب کی تھی تو قرآن کریم کے نزول کے بعد وہی زبان شام اور مصر اور الجزائر اور مختلف مقامات کی ہوگئی۔ اگر یہ زبان مردہ ہوتی تو قرآن کریم کا یہ دعویٰ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ کہ ہم نے اس کو عربی زبان میں اس لئے نازل کیا تاکہ تم سمجھو صحیح نہ رہتا۔ اور کسی ایسی زبان میں نازل ہوتا۔ جو کسی ملک کی زبان نہ ہوتی۔ تو اس کے سمجھانے کے لئے دوسری زبان میں جس کو انسان سمجھ سکتے خدا کو ترجمہ کرنا پڑتا۔ تو پہلی زبان لغو ٹھہرتی۔ عقل بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ کہ کلام الٰہی زندہ زبان میں ہونا چاہیئے۔ جو کامل کتاب کہ تمام روئے زمین کے لئے اور ہمیشہ تک تعلیم دینے والی خدا کی طرف سے مقرر کی گئی ہے۔ اس کی زبان بھی ہمیشہ کیلئے محفوظ اور زندہ رہنی چاہیئے۔ جیسا کہ عربی زبان قرآن کریم کی خاطر زندہ اور محفوظ ہے۔

تیسرا معیار کامل کتاب جو کہ تمام قوموں اور زمانوں کی ہدایت کیواسطے بھیجی گئی ہو۔ اس کے واسطے ضروری ہے کہ اس کی حفاظت بھی خدا کی طرف سے کی جائے۔ جیسا کہ تمام ضروریات

زندگی کا مہیا کرنا اور اُن کا محفوظ رکھنا اسی کا کام ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس امر کا ذکر مندرجہ ذیل آیات میں بیان فرماتا ہے:۔

(۱) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (پارہ ۱۴ ع ۱)

(۲) بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (پارہ ۳۰ ع ۱۰)

(۳) اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۔ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ (پارہ ۲۴ ع ۱۹)

(۴) وَاتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (پارہ ۱۵ ع ۱۷)

ترجمہ

(۱) ہم نے اس کامل نصیحت نامہ کو نازل کیا ہے۔ اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

(۲) یہ قرآن بزرگی اور عزت کا سامان ہمیشہ ہمیشہ لوح محفوظ میں رہیگا۔

(۳) اور یہ ایک معزز اور غالب کتاب ہے۔ کہ جس کے مقابل نہ باطل ٹھہر سکتا ہے نہ اس کتاب کی کسی بات کو باطل ثابت کیا جا سکتا ہے نہ قرآن کے نزول کے وقت اور نہ اس کے بعد قیامت تک کیونکہ یہ تمام خوبیوں کی جامع اور تمام علوم کے سرچشمہ خدا کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔

(۴) تم اپنے رب کی کتاب پڑھو۔ اس کی باتوں کو کوئی شخص بدل نہیں

سکتا نہ کوئی غلط ثابت کر سکے نہ ہی مٹا سکے ۔ قرآن کریم کی کیسی حفاظت فرمائی کہ لاکھوں انسانوں کو اس کا حافظ بنا دیا ۔ اور ان کے لوحِ قلب میں اس کو محفوظ رکھا مخالفت کی سخت آندھیاں چلیں اور حوادثات کے سخت حملے ہوئے لیکن اس کتاب کا ایک شوشہ بھی نہ بدل سکا ۔ اگر دنیا پر خدانخواستہ ایسا سیلاب آئے کہ جس سے دنیا کی تمام کتابیں نابود ہو جائیں ۔ تو صرف قرآن کریم ہی وہ کتاب ہے ۔ کہ جو سینوں میں محفوظ رہے گی ؎

چوتھا معیار کامل کتاب ایسے زمانہ میں آنی چاہیئے ۔ کہ جس زمانہ میں گمراہی اور گنہگاری اور مفاسد بھی کمال تک پہنچ جائیں ۔ کیونکہ ہر ایک چیز کی قدر و منزلت اس کی ضرورت کے ساتھ ہی وابستہ ہے ۔ پس کامل کتاب کا کسی ایسے زمانہ میں نازل ہونا جس زمانے میں ابھی شرارت اور بدی پاپ اور ظلم موجود ہی نہیں غیر ضروری اور غیر مفید ہے ۔ بلکہ ایسے زمانہ میں اس کا نزول مضر ہے ۔ کیونکہ مثال (۱) سر درد یا دہانیدن کا مصداق ہوگی ۔ اور اُن کو ایسی چیزوں سے منع کریگی جن کا وہ نہ نام جانتے اور نہ کرنا جانتے ہیں ۔ سوائے اس کے کہ وہ ان باتوں کی تحقیق میں لگ جائیں کہ زنا اور چوری کیا ہے ۔ شراب اور جوا کس چیز کا نام ہے ۔ اور پھر وہ ان افعال کے مرتکب ہوں ۔ ایسی کتاب کا

کیا نتیجہ ہو سکتا ہے ۔ کون نہیں جانتا کہ معصوم بچہ کو یہ کہنا کہ زنا مت کر ۔ شراب مت پی ۔ بدی کی تحریک ہے ۔ چنانچہ قرآن کریم اس اصل کی طرف بدیں الفاظ توجہ دلاتا ہے ؎

(۱) ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ○ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ○ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ ○ (پارہ ۲۱ ع ۶)

(۲) قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقِمُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ ○ (پارہ ۶ ع ۱۳)

ترجمہ

(۱) بر اعظموں میں اور سمندروں یعنی جزائر میں خرابی اور فساد غالب آیا ۔ لوگوں کی بداعمالی سے جس کا نتیجہ یہ ہوگا ۔ کہ خدا انکے کچھ اعمال کی انکو سزا دیگا ۔ تاکہ وہ توبہ کریں ۔ ملک میں پھر کر دیکھ لو کہ قرآن کریم کے نزول سے جو پہلی قومیں ہیں ۔ اُن کے آخری دن کیسے ہیں ۔

اکثر مشرک ہیں۔ پس اس لئے اس کامل اور محکم دین کی طرف تو ہمہ تن متوجہ ہو۔ پیشتر اس کے کہ خُدا کی طرف سے وہ عذاب کا دن آوے۔ جس کے مقابلہ کی کسی کو تاب نہیں۔ اور نہ کوئی اس کو ہٹا سکتا ہے۔

(۲) اے اہل کتاب تم ہم سے ناراض ہو۔ حالانکہ ہم اس کو بھی مانتے ہیں۔ جو ہماری طرف نازل کیا گیا۔ اور اس کو بھی جو تمہاری طرف نازل کیا گیا۔ اور حالانکہ تم میں سے اکثروں کا یہ حال ہے کہ خُدا کی شریعت کی پابندی انہوں نے چھوڑ دی۔ جس کو تاریخ سے ادنیٰ واقفیت ہے۔ وہ جانتا ہے۔ کہ حضرت محمد مصطفٰےؐ احمد مجتبٰےؐ فداہ ابی و امّی کی تشریف آوری سے پہلے اہل دنیا پر ایک شرک اور کفر اور ظلم کی نہایت تاریک و تار شب تھی۔ کہ یکایک علوم حقّہ کے مشرق سے اس آفتاب رحمت نے طلوع کیا۔ اور لاکھوں کو اپنے نور سے منوّر کر دیا

پانچواں معیار

وہ کتاب جس کا یہ دعویٰ ہو کہ میں کامل ہوں اور کل دنیا کی ہدایت کیلئے آئی ہوں۔ تو اُسے چاہیئے کہ وہ اپنے نزول کے بعد تھوڑے عرصہ میں دُنیا کے سامنے پیش ہو نہ یہ کہ وہ ایک ملک میں کچھ آدمیوں کے گھر میں بند رہے۔ حتیٰ کہ جو اس کے مدعی ہیں۔ ان کا اکثر حصّہ بھی اس سے

محروم ہو۔ چنانچہ قرآن اس اصل کی نسبت یوں فرماتا ہے :۔

(۱) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (پارہ ۱۷، نصف)

(۲) اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝ (پارہ ۱۷، نصف)

ترجمہ

(۱) ہم نے تجھ کو جہان پر رحمت کے لئے بھیجا ہے۔

(۲) اس میں تبلیغ ہے ایسے لوگوں کیلئے جن میں پرستش کا شوق ہے۔

اب دیکھو کہ قرآنِ کریم اپنے نزول کے بعد تیس سال کے اندر اندر کیسی سرعت کے ساتھ ایشیا۔ یورپ۔ افریقہ کے آباد اماکن میں پہنچ گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بادشاہوں کی طرف تبلیغ اسلام کے خطوط لکھدیئے۔ اگر قرآن کریم ہزاروں سال عرب کے ایک حصّہ حجاز میں مدفون رہتا۔ اور آج ہم جیساکہ ایک مردے کو قبر سے نکالا جاتا ہے۔ اس کو وہاں سے نکالتے اور کہتے کہ کل دُنیا کے لئے ہدایت ہے۔ تو ہر مخالف ہمارے منہ پر مارتا اور کہتا کہ سینکڑوں ہزاروں سالوں کے بعد آج تم ہی ہوئے جو کہتے ہو کہ قرآن تمام جہان کی ہدایت کیلئے ہے کہ جن پر قرآن نازل ہُوا۔ اور ان کے ساتھی اور ان کے تابعین اور تبع تابعین نے اس بات کو نہ سمجھا۔ اگر اس کی زبان اتفاق سے مردہ ہو جاتی۔ تو لوگ یہی کہتے کہ صاحب جب اہل زبان موجود تھے۔ انہوں نے تو قرآن کو حجاز

سے ترقی ہوتی ہے۔ تو چاہیئے کہ اس پر عمل کرنے والے پہلے دینی ترقی کے کامل نمونہ ہوں۔ اور ان کے حالات قومی اور صحیح تاریخ پبلک کے سامنے پیش کرے۔ چنانچہ قرآن شریف نے اس مقصد کی طرف آیات ذیل میں اشارہ فرمایا ہے:-

(۱) هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ (سورہ جمعہ پارہ ۲۸)

(۲) مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا (پارہ ۲۷ سورۃ فتح کا آخر)

(۳) قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (پارہ ۳ ع ۱۲)

(۴) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (پارہ ۲۱ ع ۱۱)

(۵) وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ۔ (پارہ ۱۱ ع ۱)

ترجمہ

(۱) اللہ وہ ذات ہے۔ جس نے ایک رسول مبعوث کیا ایسی قوم میں جو ہر ایک خیر و خوبی سے محروم۔ نہ ان میں سلطنت نہ ان میں

پاکیزگی۔ نہ ان کی عزت نہ وجاہت نہ ان میں علم نہ حکمت اس رسول کو اس لئے مقرر کیا ہے کہ جو ان کو پاک کریگا۔ اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے گا۔

(۲) محمد اللہ کا فرستادہ ہے۔ اس لئے جو اس کے ساتھ ہوئے وہ حق کے منکروں کے مقابلہ میں ایسے مضبوط ہیں۔ کہ اپنا اثر ڈالتے ہیں۔ ان کا اثر نہیں لیتے۔ آپس میں رفیق در فیق ہیں۔ خدا کے آگے گردن جھکانا۔ اس کے آگے اپنا سر رکھنا۔ اور اس کی مہربانی اور خوشنودی کو چاہنا ان کا کام۔ یہ وہ حالات ہیں۔ کہ ان کی تاریخ پر نظر ڈالنے والے پر بخوبی عیاں ہیں۔

(۳) رسول تمہارے لئے کامل نمونہ ہے۔

(۴) اس لئے اے رسول تو ان لوگوں سے کہدے۔ کہ اگر تمہیں خداطلبی ہے۔ تو میرا نمونہ اختیار کرو۔ خدا کے پیارے بنو گے۔

(۵) صرف رسول ہی نمونہ نہیں۔ بلکہ جو اس کی طرف دوڑ کر پہنچے۔ اپنے وطنوں کو چھوڑا۔ اور اس کی تائید میں کھڑے ہوگئے۔ وہ بھی ایسے اعلے نمونہ ہیں۔ کہ ان کی پیروی سے خدا راضی ہوتا ہے۔ اے اسلام کے قبول کرنیوالو! اور اسلام کے نیا گنے والو! غور کرو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پہلے عرب کی کیا حالت تھی۔ اور آپؐ

کے آنے کے بعد وہ کس اعلیٰ مقام ترقی پر پہنچے یہ اس کامل الہامی کتاب کی تاثیر تھی۔ کہ جو ہزاروں سالوں کے روحانی مردے تھے۔ ان میں ایک دم روح پھونک کر دنیا کے لئے ان کو ایک نمونہ بنا دیا

اٹھواں معیار

چونکہ مذہب کی اصل غرض خدا کو پانا ہے اسلئے کامل الہامی کتاب خدا کی قدرت اور جلال۔ عظمت اور کمال جزاء اور سزا ایسے رنگ میں بیان کرے کہ خدا کی محبت جو نیکیوں کی محرک ہے۔ وہ دل میں پیدا ہو اور اس کا خوف جو بدیوں سے مانع ہے۔ اس پر مستولی ہو تا انسان کی زندگی پاک ہو۔ قرآن کریم میں خدا تعالےٰ کی توحید اور اس کے صفات اور غیر کی عبادت سے روکنا اور شرک سے دوری کی تعلیم ایسی اعلیٰ و اکمل طور پر دی گئی ہے کہ اس سے بڑھ کر متصور نہیں ہو سکتی نمونہ کے طور پر مندرجہ ذیل آیات پیش کی جاتی ہیں:۔

(۱) قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝
وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

(۲) هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ

الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ
الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (پارہ ۲۸ سورۃ حشر آخر)

(۳) قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ (پارہ ۱۳ ع ۸)

(۴) لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ
خَلَقَهُنَّ ۝ (پارہ ۲۴ ع آخر)

(۵) وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ
الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ (پارہ ۱۷ ع ۱۹)

ترجمہ

(۱) تو کہہ کہ اللہ ایک ہے۔ وہ بے نیاز سب کا حاجت روا ہے جس نے نہ بیٹا جنا اور نہ وہ کسی کے ہاں جنا گیا۔ اور نہ کوئی اس سے کسی قسم کی برابری رکھ سکتا ہے۔

(۲) اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں غائب اور ظاہر کو جاننے والا۔ بغیر سوال کے رحم کرنے والا اور سوال پر بھی رحم کرنیوالا وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ ہر ایک نقص سے پاک ہمیشہ سلامت غیر متغیر قائم و دائم امن دینے والا نگہبان ہر ایک پر غالب۔ بے نظیر طاقت والا۔ بگڑے کی

اصلاح کرنیوالا۔ بڑائی اور انتہائی عظمت والا بلند تر ہے اس سے کہ اس
کا کسی امر میں بھی کوئی شریک ہو وہ اللہ جو پیدا کرنیوالا صورت بخشنے والا۔ ہر
ایک خوبی وکمال اس میں ہے۔ زمین وآسمان کی تمام چیزیں اس کی اس شان
کو ظاہر کررہی ہیں۔ وہ نہایت غالب حکمت والا ہے۔

(۳) کہہ دے کہ ہر ایک چیز کا خالق اللہ ہے۔ اس لئے کہ وہ ایک ہے۔ اور
ہر ایک چیز کے اوپر قابو رکھنے والا غالب ہے۔

(۴) اس لئے تم کسی آسمانی یا زمینی جرم کی پرستش اور سجدہ نہ کرو۔ بلکہ
اسی کے آگے سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا۔

(۵) کیونکہ جو شرک کرتا ہے گویا وہ بلندی سے گرا جس کو پرندوں نے جھپٹ
لیا۔ یا ہوا اس کو دور دراز جگہ میں پھینک آئی۔

نواں معیار کامل کتاب کی تعلیم بھی اعلیٰ واکمل ہو۔ جس میں یہ بتایا
جائے کہ انسان اپنے نفس سے کیا معاملہ کرے۔ اپنے
عزیز واقارب سے کیا کیا سلوک کرے۔ حاکم ہو تو کیا کرے۔ محکوم ہو تو
کیا کرے۔ غرض یہ کہ جو جو حالات انسان کی زندگی میں پیش آسکتے
ہیں۔ سب کے اوپر مفصل بحث کرے۔ تاکہ نہ انسان کا اپنا حق ضائع ہو
اور نہ دوسرے کے حق کو دبانے والا ٹھہرے۔ اس مقصد کے
بتانے کے لئے تو سارے قرآن پر نظر کرنی چاہیئے۔ لیکن یہاں نمونہ

کے طور پر چند آیات پیش کی جاتی ہیں:۔

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (پارہ ۲۸ ع ۱۹)

(۲) وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (پارہ ۱۶ ع آخر)

(۳) وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (پارہ ۴ ع ۱۴)

(۴) وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (پارہ ۲ ع ۱۲)

(۵) إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَ
يَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ (پارہ ۱۴ ع ۱۹)

(۶) إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا
حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ

(۷) كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (پارہ ۵ ع ۵)

(۸) وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (پارہ ۱۵ ع ۳)

(۹) وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا
تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا (پارہ ۱۵ ع ۱۲)

ترجمہ

(۱) اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو جہنم کی آگ
سے بچاؤ۔

(۲) اور اپنے متعلقین کو نماز اور دعا کا حکم کر اور خود استقلال کر۔
(۳) اور عورتوں سے حسن سلوک کا برتاؤ کرو۔
(۴) خدا حکم دیتا ہے۔ کہ تم عدل یعنی حقوق کو پورا ادا کرو۔ جو اپنے لئے پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کیلئے پسند مت کرو۔ اور احسان کا حکم دیتا ہے۔ کہ حقوق سے بڑھ کر حسن سلوک کرو۔ اس طرح مخلوقات سے محبت کرو۔ جیسے ایک ماں بچے سے بغیر غرض و مطلب ذاتی کے محبت کرتی ہے۔ اور نہیں روکتا ہے۔ ہر ایک قسم کی بیحیائی بے غیرتی اور دیوثی سے اور ہر ایک ظلم و زیادتی سے۔ اور حکام کی بغاوت سے۔
(۶) بے شک خدا تمہیں حکم دیتا ہے۔ کہ امانت انہیں کے سپرد کرو۔ جو اس کے اہل ہیں۔ مثلاً الیکشنوں کے موقعہ پر ایسے لوگوں کو منتخب کیا جائے جو واقعہ میں اس کام کے اہل ہوں۔ بے وجہ طرفداری نہ کی جائے۔ اور حکام کو فرمایا۔ کہ جب تم حکومت کرو۔ تو عدل و انصاف سے کرو۔
(۷) بہتر امت وہی ہے جو لوگوں سے علیحدہ سوسائٹی اس لئے قائم کرے کہ وہ تمام لوگوں کی بہبودی اور ترقی کی خواہاں ہو اس طرح کہ ہر ایک اچھی بات کا حکم کرے۔ اور ہر ایک بُری بات سے روکے۔

(۸) تمہارے رب نے یہ قطعی حکم دیا ہے۔ کہ اس کے سوا اور کی پرستش نہ کرو۔ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔
(۹) اور اپنے قریبیوں کے حقوق دو۔ جو ان کے لئے مقرر ہیں۔ اور ہر ایک مسکین مسافر کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اور خرچ کرنے میں حد اعتدال کو قائم رکھو۔ نہ تو اتنا خرچ کرو کہ کنگال ہو جاؤ اور نہ ہاتھ ایسا تنگ کرو کہ بخل کے مرض میں مبتلا ہو جاؤ۔
غرض یہ ہے کہ قرآن کریم ہی میں ہر ایک طبقہ کے لوگوں کے لئے ایسی تعلیم دی گئی ہے کہ جس پر وہ عمل کر سکیں۔ اور نہ ایسی جو صرف کانوں کو اچھی لگے ؛

دسواں معیار

کامل کتاب جو سب لوگوں کے لئے ہو۔ اسکے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی تعلیم پر ہر سلک و طبقہ کا انسان امیر و غریب بڈّی و بجری عمل کر سکتا ہو۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَھَا۔ ترجمہ:۔ خدا اس کی طاقت سے بڑھ کر کوئی حکم نہیں دیتا۔ سو خدا تعالےٰ نے اپنے ارشاد کے مطابق عبادات نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ میں کیسی آسانی رکھی ہے۔ بیع و شریٰ و نکاح و موت و فوت کے احکام کے متعلق ترکۂ میت میں کیسی سہولت رکھی ہے ؛

گیارھواں معیار

وہ کتاب ایسے خدا کو پیش کرے۔ جو زندہ ہو۔ اور جس کی زندگی کا ثبوت تازہ بتازہ نشان ہوں۔ اور اس خدا کا مدار صرف قصّہ اور کہانیوں پر نہ ہو۔ چنانچہ جو آیات اس مدعا کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ وہ ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:۔

(۱) اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (پارہ ۱۱ ع ۱۲)

(۲) اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ

(۳) اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ

(۴) اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝ (پارہ ۱ ع ۷)

(۵) اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ (پارہ ۲۰ ع ۱)

(۶) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ (پارہ ۲۲ ع ۳)

(۷) اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ (پارہ ۹ ع ۶)

ترجمہ

(۱) خبردار اللہ سے تعلق رکھنے والے ان پر نہ خوف رہتا ہے۔ اور نہ وہ غمگین رہتے ہیں۔ جو کہ ایمان لاکر پرہیزگار ہوتے ہیں۔ ان کیلئے بشارت ہوتی ہے۔ اس دُنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی خُدا کی ان باتوں کو کوئی ٹلا نہیں سکتا۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

(۲) بے شک جو لوگ کہتے ہیں۔ کہ ہمارا مربّی اور ہمارا مالک اللہ ہے۔ پھر اس بات پر استقامت اور استقلال کرتے ہیں ایسے لوگوں پر فرشتے اترتے ہیں۔ ان کو یہ بتانے کے لئے کہ تم خوف و غم نہ کرو اور بشارت ہو اس جنّت کی جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا۔ ہم تمہارے دنیا میں بھی دوست ہیں اور آخرت میں بھی۔

(۳) مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

(۴) میں ایسے دُعا کرنے والے کی دُعا کو قبول کرتا ہوں۔ جو ایسی حالت

میں پکارے کہ وہ میرا فرمانبردار ہو۔ اور مجھ پر اسے پورا بھروسہ ہو
تا وہ اس نشان سے نورانیت اور رشد میں ترقی کرے۔

(۵) وہ خدا جو مضطر کی دعا قبول کرتا ہے۔ اور دکھوں کو دور کرتا ہے
جب وہ اسے پکارے۔

(۶) ایمان والو اللہ کا بہت ذکر کرو اور اس کی تسبیح کرو۔ صبح شام خدا اور
اس کے فرشتے تمہاری طرف ایسی خاص توجہ کریں گے کہ اندھیروں سے
نور کی طرف لے جاویں گے۔

(۷) کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جسے وہ معبود ٹھہراتے ہیں۔ وہ اُن سے بات تک
نہیں کرتا۔ اور نہ ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ ایسے معبود بنانا ظلم اور
بے انصافی ہے۔

اب اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم لوگوں کے لئے جو اس کے واسطے سے خدا سے تعلق پیدا کرتے ہیں۔ قسم قسم کی بشارات کا وعدہ اسی دنیا میں کرتا ہے۔ کیونکہ اگر اسی دنیا میں خدا کی طرف سے کوئی بشارت نہ ملے۔ اور اس کی مہربانیوں کے تازہ نشان نہ دیکھے تو اس کا خدا سے رابطہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ فطرت انسانی نقد کو ادھار پر ترجیح دیتی ہے بلکہ ادھار کا معاملہ اسی سے ہو سکتا ہے جس سے کہ بار بار نقد ڈیل چکا ہو۔ جو ہمیشہ ادھار ہی کا معاملہ چاہے۔ اس سے کوئی سودا نہیں کرے گا۔

بارھواں معیار

جو کامل کتاب کہ ساری دنیا کے لئے ہو۔ اس میں پیشگوئیوں کا ہونا بھی ضروری ہے جو وقتاً فوقتاً پوری ہوں اور اس کتاب کے اوپر ایمان کی تازگی کا باعث ہوں۔ چنانچہ قرآن کریم کے اندر اس قسم کی پیشگوئیاں بکثرت موجود ہیں۔ جو ذیل میں مختصراً درج کی جاتی ہیں:۔

(۱) وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (پارہ ۱۸ ع ۱۳)

(۲) حَتّٰى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ (پارہ ۱۷ ع ۷)

(۳) وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۝ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ۝ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَاۗءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۝

(۴) وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ (پارہ ۱۵ ع ۶)

(۵) مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝
وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِی الْبَحْرِ کَالْاَعْلَامِ ۝ (پارہ ۲۷ ع ۱۲)

(۶) الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ
سَیَغْلِبُوْنَ ۝ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ۝

(۷) سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ (پارہ ۲۷ ع ۹)

(۸) کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ (پارہ ۲۸ ع ۳)

(۹) اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ
یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ (پارہ ۲۴ ع ۱۱)

(۱۰) قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ ۝ (پارہ ۲۲ ع ۱۲)

(۱۱) قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ (پارہ ۳ ع ۱۰)

(۱۲) ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ اَیْنَ مَا ثُقِفُوْٓا (پارہ ۴ ع ۳)

(۱۳) وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (پارہ ۶ ع ۱۳)

یہ چند پیشگوئیاں بطور نمونہ لکھی گئی ہیں۔ جو کچھ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پوری ہوئیں۔ اور کچھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اس زمانہ تک وقتاً فوقتاً پوری ہو رہی ہیں۔ اور سہولت کے لئے ان آیات کا ترجمہ ذیل میں لکھا جاتا ہے:۔

ترجمہ:۔ (۱) خدا نے وعدہ کیا ہے۔ اُن لوگوں سے جو تم میں سے ایمان

لائے۔ اور اعمال صالحہ بجالائے۔ ان کو خلعت خلافت بخشیگا۔ جیسا کہ پہلوں کو بخشی۔ اور مضبوط کر دیگا۔ ان کے لئے اس دین کو جو اس نے اُن کے لئے پسند کر لیا ہے۔ اور ان کے خوف کو امن سے بدل دیگا۔

(۲) یہاں تک کہ یاجوج ماجوج کھولے جائینگے۔ اور وہ ہر ایک بلند جگہ سے دوڑینگے۔

(۳) اور ہم ان کو چھوڑیں گے۔ تب وہ آپس میں سمندر کی لہروں کی طرح حملہ آور ہوں گے اور ایک بگل بجایا جائیگا۔ پھر ہم ان کو جمع کرینگے اور ان تمام کافروں کو بھڑکتی ہوئی آگ کے سامنے پیش کرینگے۔ جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے میں ہیں۔ اور وہ سننے کی بھی طاقت نہیں رکھتے۔

(۴) نہیں ہے کوئی بستی مگر ہم ضرور ہلاک کرینگے اس کو قیامت سے پہلے یا عذاب دینگے بہت سخت عذاب۔ یہ بات ضرور ہو کر رہے گی۔

(۵) دو سمندر خدا نے چھوڑے ہیں۔ جو آپس میں مل جائینگے۔ ان دونوں کے درمیان روک ہے۔ وہ اپنی حدود سے نہیں نکلتے۔ ان دونوں سے مونگے اور موتی نکلتے ہیں۔ اور جہاز چلتے ہیں۔ یہ دونو سمندر بحر قلزم اور بحر روم ہیں۔ جو بذریعہ نہر سویز آپس میں ملے اور ان کا استقا ہوا۔

(۶) رومی مغلوب ہوئے مگر چند سالوں میں پھر وہ غالب آجائیں گے۔ یہ پیشگوئی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پوری ہوئی۔

(۷) مخالفین کی جماعت کو شکست ہوگی۔ اور وہ پیٹھ دیکر بھاگیں گے غزوۂ خندق اور غزوۂ بدر میں یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔

(۸) خدا نے یہ لکھدیا ہے۔ کہ میں اور میرے رسول غالب آئینگے۔

(۹) ہم اپنے رسولوں اور مومنوں کی مدد اس دنیا میں کرتے ہیں۔

(۱۰) کہدے کہ اس شہر میں حق آگیا۔ یعنی توحید آئی اور شرک بھاگ گیا اب نہ یہاں نیا شرک ہوگا اور نہ پورانا لوٹ کر آئیگا۔

(۱۱) کہدے اے منکرو تم مغلوب کئے جاؤ گے۔ اس دُنیا میں اور پھر جہنم کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے۔

(۱۲) یہود پر ذلت ڈالی گئی۔ جہاں کہیں بھی یہ پائے جائیں۔

(۱۳) اللہ تعالےٰ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھیگا۔ کہ کوئی تیرے قتل پر قادر نہیں ہو سکے گا۔

الغرض کسی الہامی کتاب کے اعلےٰ واکمل اور تمام دنیا کی متبوع ہونے کے جو صحیح معیار ہو سکتے تھے۔ ہم نے قرآن کریم سے چند بطور نمونہ پیش کر دیئے ہیں۔ اور قرآن کو ان سب پر پورا اتار کر دکھا دیا ہے ۞

قرآن کریم کے بعد الہام کا سلسلہ جاری ہے

دلیل اوّل چونکہ انسان کی عادت میں نسیان ہے۔ جو حالت اس کی کسی واقعہ کے وقوع کے وقت ہوتی ہے۔ وہ حالت تھوڑے وقت کے بعد متغیر ہو جاتی ہے۔ جس دن اس کا کوئی عزیز فوت ہو یا اس کا مال ضائع ہو۔ جو کیفیت دنیا کی بے ثباتی اور غم کی اس کے دل پر اس وقت طاری ہوتی ہے چند روز کے بعد اس کا نشان نہیں ملتا۔ پس ضرور ہے کہ جس مقصد کی طرف انسان کو متوجہ کیا جائے۔ اس مقصد پر اس کو بار بار تنبیہہ کی جائے تاکہ نسیان کی وجہ سے اس مقصد کو چھوڑ نہ بیٹھے۔ قرآن کریم اس مقصد کی طرف ان آیات میں اشارہ فرماتا ہے:-

(۱) فَذَكِّرْ إِنَّمَآ أَنتَ مُذَكِّرٌ ۝ (پارہ ۱۲ ع ۱۳)

(۲) وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (پارہ ۲۷ ع ۲)

(۳) إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ

ترجمہ

(۱) پس تو ان کو یاد دلا کیونکہ تیری بعثت کا مقصد یہی ہے کہ تو ان کو یاد دلائے۔

(۲) پس تو یاد دلا۔ کیونکہ یاد دہانی سے مومنوں کو نفع ہوتا ہے۔

(۳) ہم ہی نے اس ذکر کو نازل کیا ہے۔ اور ہم آئندہ بھی اس کی نگہبانی کرینگے۔

قرآن کریم کا نام ذکر رکھا۔ اور آنحضرت صلعم کا نام مُذکِّر رکھا۔ کیونکہ قرآن کریم اس بات کا اعلان کرتا ہے۔ کہ تمام قوموں کو خدا تعالےٰ نے رسولوں کی معرفت اپنے احکام سے اگاہی بخشی ہے۔ جیسا کہ فرمایا:۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا۔ کہ ہم ضرور اور یقیناً ہر ایک امت میں رسول بھیج چکے ہیں۔ چونکہ وہ لوگ ان تعلیموں کو چھوڑ بیٹھے۔ اور بھول گئے۔ اس لئے ان کا کھویا ہوا متاع واپس دینے کے لئے آنحضرت صلعم مبعوث ہوئے۔ اور آپ کا نام مذکّر یاد دہانی کرانیوالا رکھا گیا۔ پس

الہام کی ضرورت کی پہلی دلیل۔ انسان کی فطرت میں نسیان اور ذہول کا پایا جانا ہے جس سے الہام کی بار بار ضرورت ثابت ہوتی ہے

دوسری دلیل۔ مذہب میں ایسے اختلافات کا موجود ہونا جس سے کہ حق کی شناخت مشکل ہو۔ اور تمیز اٹھ جائے۔ باوجودیکہ ایک قوم اپنے آپ کو ایک مذہب کی طرف منسوب کرتی ہو لیکن اس مذہب کے فرقے اور شاخیں اتنی ہو جائیں کہ ان کے مابین بغض و عناد ہو۔ اور ایک دوسرے کی تکفیر و تضلیل اور توہین و تذلیل کے درپے ہوں۔ تب بھی خدا کے نئے الہام کی ضرورت ہوتی ہے۔ تا وہ الہام قولِ فصل ہو۔ اور اس الہام

کا پانیوالا حکم عدل ٹھہرے۔ چنانچہ اس مقصد کی طرف قرآن کریم کی آیت ذیل میں اشارہ فرمایا گیا ہے:۔

وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (پارہ ۲ ع ۱۰)

دوسری آیت:۔ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝
(پارہ ۱۴ ع ۱۴)

ترجمہ

(۱) خدا تعالیٰ اپنے کلام کو نبیوں کی معرفت اس لئے بھی نازل کرتا ہے۔ کہ لوگوں میں جو اختلاف پڑا ہوا ہوتا ہے۔ اس پر وہ فیصلہ کرے۔ اور اختلاف وہی لوگ کرتے ہیں۔ جو پہلے سے خدا کی کتاب کے وارث ہوتے ہیں۔ اور یہ اختلاف کرنا انکا کھلے کھلے نشانوں کے پانے کے بعد ہوتا ہے۔ اس اختلاف کا باعث انکا باہمی فساد ہوتا ہے۔ جس کو وہ مذہبی پیرایہ دیکر اہل مذہب کے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔ جو مختلف

فرقوں میں حق پر ہوتے ہیں۔ اور ان لوگوں کو ہدایت کی جاتی ہے۔ جو اختلاف حق جوئی کے لئے کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالٰے کی یہ سنت ہے۔ کہ جو صراط مستقیم چاہتا ہے۔ وہ اسے اس راستے کی ہدایت دیتا ہے۔

(۲) اور ہم نے نہیں نازل کی تجھ پر کتاب۔ مگر اس لئے کہ تو بیان کرے لوگوں کے لئے یعنی فیصلہ بتائے ان باتوں میں جن میں انہوں نے اختلاف کیا اور اصلی ہدایت اور علوم جو خدا تعالٰی کی مہربانی سے حاصل ہوتے ہیں۔ وہ مومنوں کو حاصل ہوں۔

یقیناً عقل اس کی متقاضی ہے۔ کہ جب ایسا اختلاف پڑے کہ جس سے حق پوشیدہ ہو۔ تو ایسے وقت میں ضرور الہام ہونا چاہیئے۔ تاکہ ان اختلاف کرنیوالوں میں جو حق پر ہیں۔ ان کی تائید و تصدیق ہو۔ کیونکہ جب اختلاف ہوتا ہے تو یہ جائز ہے۔ کہ ان مختلف فرقوں میں کوئی فرقہ حق پر بھی ہو یا ان اختلافی مسائل میں کوئی مسئلہ صحیح ہو ایسے فرقے کو ممتاز کرنے اور اس مسئلے کو جو حق ہے واضح کرنے کے لئے پھر خدا تعالٰے کے تازہ الہام اور نئے نشانوں کی ضرورت ہے۔ جو باقی فرقوں کے لئے اہل حق کی طرف راہنما ہوں۔

تیسری دلیل :- جو کہ بار بار الہام ہونیکی ضرورت ثابت کرتی ہے۔ وہ یہ

ہے کہ جب ایک کتاب نازل ہو پھر اس پر لمبا زمانہ گذر جائے۔ تو بسبب لمبے زمانہ چونکہ اس کتاب یا اس کلام کا مدار لوگوں تک پہنچانے کیلئے انسانی روایات ہوتی ہیں۔ اور راویوں میں سب ثقہ نہیں بھی ہوتے اس لئے طبائع کے دل میں شک شروع ہو جاتا ہے کہ وہ کتاب جس کو ہم باپ دادا سے سنتے چلے آرہے ہیں۔ کہ وہ خدا کی کتاب ہے۔ آیا فی الواقعہ یہ روایت صحیح ہے۔ یا پہلے لوگوں نے کوئی ناول یا قصّہ کہا۔ جس کو پچھلے لوگوں نے حقیقت پر محمول کیا۔ ایسے وقت میں لوگوں کی طبیعت میں طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کوئی ذریعہ ہو۔ جو بتائے کہ آیا جو کتاب کہ خدا کی طرف منسوب کی جارہی ہے۔ یہ فی الواقعہ خدا کا کلام ہے بس وہ رحیم کریم خدا جو تقاضائے فطرت کو پورا کرنے والا ہے اور تاریکی کے بعد روشنی لانے والا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ لوگوں کو شبہے میں رکھے۔ پس وہ اپنی نئی کلام کے ذریعے سے ان شکوک کا ازالہ کرتا ہے اور اس نئی کلام سے اپنی پرانی کلام پر یقین دلاتا ہے۔ اس مقصد کی طرف قرآن کریم کی آیاتِ ذیل میں اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱) وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝
فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ
وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ
(پارہ ۲۵ ع ۳)

(۲) وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ
مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝ (پارہ ۱۲ ع ۶)
(۳) وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ
الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ اِعْلَمُوْٓا
اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ
تَعْقِلُوْنَ ۝ (پارہ ۲۷ ع ۱۷)

ترجمہ

(۱) وہ لوگ جو نبیوں کے بعد کتاب کے وارث ہوئے۔ وہ اس کتاب سے نہایت قوی شک میں پڑ گئے۔ وہ کتاب ان کی نظر میں مشکوک ہوئی پس اس لئے تو دعوت کیلئے اُٹھ اور ہمارے حکم کے مطابق استقلال سے کھڑا ہو۔ اور کہدے کہ میں ان تمام کتابوں کی تصدیق کرتا ہوں۔ جو خُدا نے نازل کیں۔ اور ان کے ایجاد کردہ خیالات کی پیروی مت کر۔ اور کہدے کہ میں اس لئے مامور کیا گیا ہوں کہ تمہارے درمیان اعتدال کو جاری کروں اور رفع اختلاف اور شکوک کروں وہ اللہ ہمارا مربی ہے۔ ہمارے درمیان اتفاق کرانا چاہتا ہے۔

(۲) بے شک موسیٰ کو ہم نے کتاب دی تھی۔ لیکن اس میں ایک تو اہل کتاب نے اختلاف کیا۔ دوسرا ان کے دل میں اس کتاب کی نسبت قوی شک

خیال گیا۔

(۳) ایسے اہل کتاب کی طرح بننا مناسب نہیں جن پر کہ زمانہ وحی سے دوری ہوئی۔ یعنی نزول وحی کے زمانہ میں عرصۂ دراز گذارا۔ جس سے ان کے دل سخت ہوئے۔ اور شریعت کی پابندی کے عہد کو ان میں سے اکثروں نے توڑ دیا۔ اس لئے خدا چاہتا ہے۔ کہ دوبارہ زمین کو وہ زندہ کرے۔ چنانچہ اس زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں۔ کہ آریہ ورت میں برہمو لوگوں کی کثرت ہوئی۔ جو وحی کو سرے سے ہی نہیں مانتے۔ غرض الہام اور کلام الٰہی کا کثرت سے انکار کیا جا رہا ہے۔ پس یہ زمانہ بھی کسی مامور من اللہ خدا کا تازہ کلام پانیوالے کے ظہور کو چاہتا تھا چنانچہ اس زمانہ کے تقاضہ کو بھی خدا تعالےٰ نے حضرت میرزا غلام احمد صاحب کے وجود سے پورا کیا۔ اور دنیا پر ثابت کیا۔ کہ بیشک خُدا کے نبی سچے اور خدا کا کلام سچا ہے۔

زندہ شد ہر نبی بآمدنم   ہر رسولے نہاں بہ پیراہنم

چوتھی دلیل: ہستی باری کے دلائل میں سے نہایت قوی دلیل جو یقین کامل تک پہنچاتی ہے۔ وہ خدا کا کلام ہی ہے۔ جس سے پتہ لگتا ہے کہ زندہ خدا موجود ہے۔ کیونکہ طبائع میں خدا کے تازہ کلام کے نہ ہونے سے یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ اگر خدا کسی زمانہ میں کلام کر کے اپنی ہستی کا

ثبوت دیتا تھا۔ اگر وہ اب بھی زندہ موجود ہے۔ تو وہ کلام کیوں نہیں کرتا۔ چنانچہ لوگوں کی طبیعتوں کا یہ حال ہے۔ کہ وہ جس امر کا مشاہدہ نہیں کرتے یا مشاہدہ کنندے کا صدق ان پر ظاہر نہیں ہوتا۔ تو وہ تصدیق کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اس لئے دہریئے خدا کے وجود کے منکر بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اس مقصد کی طرف قرآنِ کریم کی اس آیت میں ہدایت ہے

(۱) اَلَمْ یَرَوْا اَنَّہٗ لَا یُکَلِّمُھُمْ وَلَا یَھْدِیْھِمْ سَبِیْلًا۔ اِتَّخَذُوْہُ وَکَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ○ (پارہ ۹ ع ۱۸)

(۲) اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْھِمْ قَوْلًا ○ (پارہ ۱۶ ع ۱۳)

ترجمہ

(۱) ان لوگوں نے ایسے کو معبود بنایا جو ان سے کلام نہیں کرتا۔ اور اختلاف اور تاریکی میں ان کی راہنمائی نہیں کرتا۔ ایسے کو معبود بنانیوالے بڑے ظالم و بے انصاف ہیں۔

(۲) یہ بچھڑوں کو معبود بنانیوالے اتنا غور نہیں کرتے کہ وہ ان کا جواب نہیں دیتا۔

پانچویں دلیل:۔ اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کہ الہام جاری ہے ہر زمانہ میں راست بازوں کی گواہی ہے۔ جن کی راست بازی پر لاکھوں نے گواہی دی اور ان کی راست بازی و نیک چلنی کا نمونہ دیکھکر کروڑوں آدمیوں

نے نفس امارہ اور شیطان کے پنجے سے رہائی پائی۔ ایسے لوگوں کو مفتری یا دغا باز کہنا دنیا سے امان اٹھا دیتا ہے۔ اور کسی کو قابل اعتبار نہیں رہنے دیتا۔ ایسے آنحضرت کی بعثت سے قبل بھی پائے گئے اور ہر ملک میں پائے گئے۔ اور آپ کے بعد بھی ایسے لوگوں کا وجود بکثرت دُنیا میں موجود ہُوا۔ ان کی کرامات اور معجزات اور ان کی قبولیت نے اُنکو سچا ثابت کیا۔ چنانچہ یہ سلسلہ ہمارے زمانہ تک مسلسل چلا آیا۔ جس سے یہ ثابت ہے کہ آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہیگا۔ قرآن کریم میں اس مقصد کی طرف آیات ذیل میں آگاہی بخشی گئی ہے۔

(۱) وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ ○ (پارہ ۲۲۔ ع ۱۵)

(۲) کُلَّمَآ اُلْقِیَ فِیْھَا فَوْجٌ سَاَلَھُمْ خَزَنَتُھَآ اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَذِیْرٌ ○ قَالُوْا بَلٰی قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ ۵ فَکَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ کَبِیْرٍ ○ وَقَالُوْا لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا کُنَّا فِیْٓ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ○ (پارہ ۲۹ ع ۱)

(۳) اَوَلَمْ نُعَمِّرْکُمْ مَّا یَتَذَکَّرُ فِیْہِ مَنْ تَذَکَّرَ وَجَآءَکُمُ النَّذِیْرُ ط (پارہ ۲۲ ع ۱۶)

(۴) قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَکُ تَاْتِیْکُمْ رُسُلُکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ط قَالُوْا بَلٰی (پارہ ۲۴ ع ۱)

(۵) یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ (پارہ ۸۔ ع ۱۱)

ترجمہ

(۱) کوئی امت نہیں مگر اس میں ڈرانیوالا اور بیدار کرنیوالا ضرور گذرا ہے

(۲) جب کبھی جہنم میں کوئی گروہ ڈالا جائیگا۔ اس سے یہ پوچھا جائیگا۔ کہ کیا تمہارے پاس کوئی تنبیہہ کرنے والا نہیں آیا تھا۔ وہ کہیں گے ضرور آیا تھا۔ لیکن ہم نے اس کو جھوٹا سمجھا اور کہدیا کہ خدا نے تو کچھ بھی نہیں اتارا اور خدا تعالےٰ کی طرف سے جو ڈر بتانے والے تھے۔ ان کو کہدیا کہ تم ہی بڑی بھول میں ہو۔ اور کہیں گے کہ کاش ہم ان کی باتیں سنتے یا غور کرتے تا آج ہم دوزخ میں نہ پڑتے۔

(۳) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی جس میں نصیحت پکڑنیوالا نصیحت پکڑے۔ اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا۔

(۴) جہنم کے داروغے جہنم میں پڑنے والی قوموں سے سوال کرینگے کہ کیا تمہارے پاس خدا کے متعدد فرستادے روشن نشانوں کے ساتھ نہیں آئے تھے۔ وہ کہیں گے کیوں نہیں ضرور آئے تھے۔

اور آنحضرت صلعم کے بعد سلسلہ الہام کے جاری رہنے کی خبر ان الفاظ میں بتائی گئی

(۵) کہ اے بنی آدم تمہارے پاس خدا کے مرسل تم ہی میں سے آئیں گے تاکہ وہ تم کو خدا کے نشان بتائیں۔

چھٹی دلیل:۔ اگر الہام کو جاری نہ مانا جائے تو صفات الٰہی میں تعطل کو راہ ملتی ہے۔ ایسی قوم جو روح اور مادہ کو اس لئے قدیم مانتی ہے۔ کہ کہیں خُدا تعالیٰ کی صفات میں تعطل نہ ہو۔ یعنی خدا کی کوئی صفت کسی وقت میں بھی بیکار نہ ہو۔ ایسی قوم کو کیا یہ خیال نہیں آئیگا۔ کہ خدا جس کا کام یہ بھی ہے کہ وہ اپنی معرفت اپنے الہام کے ذریعے سے بخشے جو ابتداء آفرینش میں بخشتا ہے۔ وہ پھر کیوں نہیں بخشتا۔ اگر اس کا الہام اور ابتدائی کتاب مثل سورج یا زمین کے ہوتی جس کے وجود اور نفع پہنچانے میں کسی استاد کی حاجت ہے۔ اور سورج اور زمین اپنے نفع پہنچانے میں یکساں جاری اور متفاوت ہیں۔ اگر کتاب بھی ایسی ہوتی کہ جس کے وجود میں نہ انسان کو شک ہوتا نہ اس کی لفظی یا معنوی تغیر و تبدیل میں انسان دخل رکھتا تو ایسی صورت میں بیشک الہام کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن وہ کتاب جو ہزاروں شکوک کا محل اور انسانی دست مال کے نیچے برہمنوں اور پنڈتوں اور پادریوں کا اسمیں دخل ہو۔ وہ ہر زمانہ میں کیونکر یقین دلانے کا موجب ہو سکتی ہے۔ جبکہ ان کتابوں کا حافظ بھی کوئی انسان نہیں اور ہزاروں سالوں تک وہ بذریعہ نقل یا چھپوائی کے دنیا میں شائع نہیں کی گئیں۔ بلکہ کچھ نامعلوم الحال انسانوں کے گھروں میں بند رہیں۔ تو پھر کیونکر دنیا کو ان کتابوں

کے بعد خدا تعالےٰ کے الہام کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا اس خیال سے کہ الہام بعد زمانۂ وید نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالےٰ سے کمی محبت بلکہ نفرت پیدا نہیں ہوتی کہ اس نے ہم سے پہلوں کو تو معرفت دی مگر ہمیں ہزاروں تاریکیوں اور شبہات میں چھوڑ دیا۔ وَ ذَالِکُمْ ظَنُّکُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّکُمْ اَرْدٰکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ہ (پارہ ۲۴ ع ۱۷) یعنی اپنے محسن اور مربی کے ساتھ یہ بدگمانی ہلاکت اور خوفناک خسارے کا موجب ہے۔

ساتویں دلیل:۔ انسانی فطرت میں تعشق اور محبت کا مادہ ہے لیکن اس تعشق میں وہ ایسی فطرت رکھتا ہے کہ نہ تو بالکل ظاہر اور سہل الحصول چیز پر وہ عاشق ہوتا ہے۔ اور نہ وہ ایسی مخفی چیز پر عاشق ہو سکتا ہے۔ جس تک راہ پانا اس کے امکان سے باہر ہو۔ امر اوّل کی وجہ سے وہ اپنے محبوب کو چاند اور سورج سے تشبیہ تو دیتا ہے۔ لیکن چاند اور سورج پر عاشق نہیں ہوتا۔ اور امر دوم کی وجہ سے کسی محبوب کا تذکرہ جس کی گفتار کے سننے اور چہرہ کے دیکھنے سے عاشق اپنے آپ کو ہمیشہ کیلئے محروم سمجھے کبھی اپنے عشق کا محل ایسے محبوب کو نہیں ٹھہراتا۔ بلکہ اس کا محبوب وہی ہو سکتا ہے۔ کہ جس کی شان قرآن کریم میں یہ بیان کی گئی ہے :۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ہ (پارہ ۲۷ ع ۱۷)

ترجمہ

جب دیدار ذات باری بہ سبب اس کے لطیف ہونے کے اس عالم میں ناممکن ہے۔ پھر اگر گفتار بھی نہ ہو تو اس کی طرف دل کی کشش اور اس سے دل کا لگاؤ کیونکر ہو۔

کے شوی عاشقِ رخِ یارے تا نہ بر دل رخش کند کارے
ہمچنیں زاں لب دو گفتارے آں کند کارہا چوں دیدارے

چنانچہ آیات ذیل میں قرآن کریم ان امور کی طرف اشارہ کرتا ہے:۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ہ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ہ (پارہ ۷ ع ۱۹)

ترجمہ

اس ذات کے لطیف ہونے کے باعث یہ آنکھیں تو اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ یعنی اس عالم میں اس کا دیدار ناممکن ہے۔ لیکن یہ کلام الٰہی کی آیات اس کی رہنمائی کرتی ہیں۔ جو ان کے ذریعے سے دیکھنا چاہیئے۔ وہ اپنے نفس کو فائدہ پہنچائے۔ لیکن جو شخص کلام سے اندھا رہا ایسے کے خدا تک پہنچانے کا کون ذمہ دار ہو سکتا ہے۔

آٹھویں دلیل :۔ ترک کلام دلیل ناراضگی ہے۔ ہم بھی کسی سے ناراض ہوتے ہیں۔ تو اس سے کلام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ جو باوجود کلام پر قادر ہونے کے کلام نہیں کرتا حالانکہ اس کا عاشق دیوانہ سر پٹخ رہا ہے اور بار بار اس کے آستانے پر عجز و انکساری سے اپنے آپ کو گرا رہا ہے۔ اس کے سوال کا کبھی بھی اس کو جواب نہ دیا جائے اور اندوہ غموم و ہجوم میں اسے کبھی بھی بشارت نہ دی جائے۔ تو کہاں کی دوستی اور کیسی محبت۔ ہاں اگر وہ یار کلام ہی نہ کر سکتا۔ تو وہ معذور تھا۔ لیکن جب اس نے کسی سے کلام کیا ہے اس صورت میں میں اگر اس کے آستانے پر گروں اور تمام جہاں سے منقطع ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوں تو اس کا نام رحیم و کریم کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ وہ اتنی بات کا بھی روادار نہیں۔ کہ وہ دو لفظوں سے میری تسلی کرے چنانچہ اس مقصد کی طرف اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم کی آیات ذیل میں اشارہ فرمایا ہے :۔

(۱) اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ (پارہ ۲ ع ۵)

(۲) اُولٰٓئِکَ لَا خَلَاقَ لَہُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ (پارہ ۳ ع ۱۶)

ترجمہ

(۱) جن لوگوں نے خدا کے نازل کردہ کلام کو لوگوں سے چھپایا دُنیا کے بدلے وہ اپنے پیٹ میں آگ ڈال رہے ہیں۔ خدا ان سے کلام نہیں کریگا۔

(۲) جن لوگوں نے دنیا کے مقابلے میں خدا کی قسم اور معاہدے کی کچھ پروا نہیں کی۔ ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور خدا ان سے کلام نہیں کریگا۔

نویں دلیل :۔ قانون قدرت ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخ اپنے واقعات کو دہراتی ہے۔ حالات زمانہ بدلتے رہتے ہیں۔ جو جو واقعات گذشتہ زمانہ میں ہوتے تھے۔ وہی لوٹ لوٹ کر پھر آتے ہیں۔ جو قوی قسام ازل نے انسان میں ودیعت کئے تھے وہ اب تک بدستور موجود ہیں۔ عالم جسمانی میں کسی کی کمی نہیں واقع ہوئی کوئی نعمت اگر گذشتہ زمانہ میں ہوئی تھی۔ تو اب وہ معدوم نہیں یہ نہیں کہ ہمیشہ خزاں ہو بہار نہ ہو۔ یا ہمیشہ خشک سالی ہو اور بارش نہ برسے یا ہمیشہ رات ہو اور اس کے بعد دن نہ چڑھے۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ط اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ط (سورۃ الم نشرح) ایسی صورت میں جو یہ کہا جاتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ گذشتہ زمانہ میں اپنے بندوں سے ہمکلام ہوتا تھا۔ مگر اب نہیں ہوتا۔ یہ کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ قانون قدرت میں جن جن امور کو پہلے زمانوں میں انسانوں کے لئے جاری کیا ہے اب بھی موجود ہیں۔ کلام الٰہی اگر گذشتہ زمانہ میں انسانوں کی روحانی زندگی کا موجب تھی۔ تو اب اس سے انسان کیونکر مستغنی ہو سکتا ہے۔ پس جب اس زمانہ میں بھی روحانی امراض شدیدہ بلکہ مہلکہ کا شکار ہو رہا ہے تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ اس کی روحانی زندگی قائم کرنے کیلئے جو اسے شربت

پہلے پلایا جاتا تھا۔ اب اس کو اس سے محروم رکھا جائے۔ اس قانونِ قدرت کے متعلق کہ روحانی زندگی کے قائم رکھنے کے لئے خدا تعالےٰ اپنا کلام نازل کیا کرتا ہے۔ یہ آیات ہیں :-

(۱) رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُوالْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝ (پارہ ۲۴ ع)

(۲) يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝ (پارہ ۱۴ ع ۷)

(۳) اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ط اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ (پارہ ۱۷ ع ۱۷) ان آیات کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے :-

(۱) خدا تعالیٰ درجوں کو بلند کرنیوالا تختِ حکومت کا مالک اپنا کلام اپنے بندوں میں سے جس کو قابل سمجھتا ہے۔ اس پر نازل کرتا ہے۔ تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے یعنی یہ اس کا قانون دائمی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنے کلام سے مشرف کرتا رہا ہے۔

(۲) خدا تعالےٰ اپنا کلام دیکر فرشتوں کو اتارتا رہتا ہے۔ اپنے بندوں میں سے جن کو وہ اس قابل سمجھتا ہے۔ ان ہی کے پاس خدا کے حکم کو وہ فرشتے لاتے ہیں۔ اس کلام میں یہ بتایا جاتا ہے کہ تم دنیا کو ڈراؤ کیونکہ میرے سوا کوئی لائق پرستش نہیں۔ اسلئے وہ لوگ میرے ساتھ شرک

کرنے سے بچیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانیوالے منتخب کرتا رہتا ہے۔ کیونکہ وہ بندوں کی درخواستیں سنتا۔ اور ان کے حالات کو دیکھتا ہے۔ اِن آیات میں صحیح صریح طور پر اس قانونِ قدرت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جو کہ انسانوں کی روحانی تربیت کے متعلق ابتداء آفرینش سے جاری ہے۔ اب جو شخص اس قانون کا انکار کرتا ہے۔ اس کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ یا تو یہ بتلائے کہ خدا میں تغیّر آگیا ہے۔ اس واسطے وہ اب کلام نہیں کرتا یا یہ بتائے کہ اس زمانہ میں انسانوں کی روحانی ترقی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اب اسے خدا کے الہام کی ضرورت نہیں رہی۔ لیکن اگر یہ دونوں باتیں درست نہیں ہیں یعنی نہ تو خدا تعالیٰ میں تغیّر آیا ہے۔ اور نہ انسان روحانیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچ گیا ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ جس طرح پہلے زمانہ میں لوگوں کی روحانی زندگی کیلئے اپنا کلام نازل کرتا تھا۔ اب نہ کرے جب کہ لوگ بھی روحانی طور پر بالکل مردہ ہو چکے ہیں۔ پس اس سے ثابت ہوا۔ کہ انسانوں کی روحانی زندگی کیلئے ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ ہر زمانے میں اپنے بندوں کو اپنے کلام سے مشرف کرتا رہے تاکہ ان کو اور ان کے ذریعے دوسروں کو روحانی زندگی حاصل ہوتی رہے

جیساکہ قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات سے ثابت ہو چکا ہے۔

دسویں دلیل:۔ چونکہ خدا تعالیٰ کی شریعت کا یہ منشاء ہوتا ہے۔ کہ لوگ اس پر عمل کریں۔ جب انسانوں پر ایسی غفلت طاری ہو۔ کہ وہ دین پر دُنیا کو مقدم کریں۔ اور نیک اعمال کو بالکل ترک کر دیں۔ بداعمالیاں ان کو اچھی لگیں۔ تو یہ اُن کی روحانی موت کا ثبوت ہوتا ہے۔ گویا اسوقت انسان اس زمین کی طرح ہوتے ہیں۔ جس پر مدت سے بارش نہ ہوئی ہو اور اس پر کوئی مفید پودا نہ اُگتا ہو۔ ایسے وقت میں جس طرح اس بات کی ضرورت ہے کہ اس زمین پر بارش ہو۔ تا وہ کھیتی باڑی کے قابل بنے۔ اسی طرح ان مردہ دلوں کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ان پر بھی روحانی بارش ہو۔ تا وہ بھی اس سے روحانی زندگی پاویں اس بات کی طرف خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں بدیں الفاظ اشارہ فرمایا ہے:۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝ (پارہ ۱۴ ع ۱۴)

ترجمہ

خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہمیں اپنی ذات کی قسم ہے۔ یعنی ہماری صفات کا مقتضا یہی ہے کہ ہم نے تمام امتوں کی طرف اپنے پیغام رساں بھیجے۔ انہوں نے ان کو ہمارے احکام سے آگاہ کیا۔ پھر شیطان نے ان کے بداعمال کو انہیں خوبصورت کر دکھلایا سو آج وہی ان کا حاکم ہے۔ یہ لوگ سخت دردناک سزا کے مستحق ہو رہے ہیں۔ تب ہم نے تیری طرف کتاب نازل کی تاکہ تو ان کے اختلافات اور خلاف ورزیاں انہیں کھولکر سنا دے اور ماننے والوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہو۔ اللہ نے بادل سے پانی نازل کیا۔ پھر مردہ زمین کو اس کے ساتھ زندہ کیا۔ اسمیں دلیل ہے اس قوم کے لئے جو سنتی ہے۔ اس آیت میں خدا تعالےٰ نے انسانوں کو جنہیں اس نے اپنے کلام سے مشرف کرکے لوگوں کی طرف بھیجا۔ اس بارش سے تشبیہہ دی ہے۔ جو مردہ زمین پر پڑ کر اس کو زندہ کر دیتی ہے۔ یعنی اسے کھیتی باڑی کے قابل بنا دیتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کا کلام روحانی زندگی کیلئے بطور بارش کے ہوتا ہے پس جس طرح ہر خشک سالی کے بعد بارش کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک ہی بارش ابتداء میں کافی نہیں۔ اسی طرح ہر زمانہ میں جبکہ لوگوں میں روحانی زندگی باقی نہیں رہتی۔ کلام الٰہی کی ضرورت ہے۔

خاتمہ:۔ ان مذکورہ بالا دلائل سے جو قرآن کریم سے ہی عقلی اور

نقلی رنگ میں دیئے گئے ہیں۔ ثابت ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں انسانوں کو کلام الٰہی کی ضرورت ہے اور ایسی سخت ضرورت ہے کہ جس کے پورا ہونیکے بغیر ممکن ہی نہیں کہ روحانی زندگی حاصل ہو سکے یا قائم رہ سکے پس جب ہر زمانہ میں کلام الٰہی کے نازل ہونے کی ضرورت ثابت ہو گئی۔ تو پھر ممکن نہیں ہے کہ وہ خدا جو اپنے بندوں کی جسمانی ضروریات کو ہر زمانہ میں پورا کرتا رہا۔ اور اب تک کر رہا ہے۔ اس نے ان کی روحانی زندگی کی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے اپنے بندوں پر اپنا کلام نازل نہ کیا ہو۔ اس نے ضرور نازل کیا ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلعم کے زمانہ تک بیشمار انسان ایسے گذرے ہیں۔ جن کو خدا تعالیٰ نے اپنے کلام سے مشرف کیا۔ اور ان کے ذریعے ان کے زمانہ میں لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کو گندوں اور برائیوں سے نکال کر روحانی زندگی عطا کی پھر آنحضرت صلعم کے بعد بھی بہت سے انسان ایسے گزرے ہیں جن کے ساتھ خدا تعالےٰ نے کلام کیا اور انہوں نے اوروں کو روحانی منازل طے کرائے۔ مثلاً حضرت سید عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ۔ مجدد الف ثانی سرہندی شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی۔ معین الدین چشتی اجمیری۔ شیخ شہاب الدین صاحب سہروردی جنید بغدادی۔ حسن بصری۔ مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی انہی لوگوں میں سے تھے پھر ہمارے اس زمانہ میں خدا تعالےٰ نے اپنے ایک عظیم الشان انسان حضرت میرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود کو اپنے کلام سے مشرف فرمایا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے سچّے اور کامل رسول ہیں

حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم خدا تعالےٰ کی طرف سے سچے رسول اور کامل نبی ہیں۔ آپ کے صدق کے معلوم کرنے کے لئے دو طریق ہیں:۔

اوّل۔ یہ کہ آپ کی ذات میں غور کیا جائے کہ آیا آپ میں وہ صفات اور کمالات پائے جاتے ہیں۔ کہ جن سے کوئی انسان کامل راستباز اور خدا تعالیٰ کا فرستادہ ہو سکتا ہے۔

دوم۔ یہ کہ آپ کے وجود سے بنی نوع انسان پر آیا یہ اثر پڑا ہے کہ جس سے آپ کامل ہادی اور حقیقی مصلح ثابت ہو سکیں۔

سوم۔ یہ کہ خدا کا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہے۔

طریق اول کے مطابق حسب ذیل وجوہات ہیں۔ جو آپ کے صدق پر حجج قویہ ہیں۔

پہلی دلیل ۔ یہ امر ہر ایک انسان کی فطرت میں ہے۔ کہ جب کسی کو وہ ایسے دعویٰ میں سچا سمجھنے لگے کہ جس دعوے کا صدق اس کے دائرہ حس سے باہر ہے یا اس کے علم میں وہ خبر موجود نہیں۔ تو وہ دیکھتا ہے۔ کہ اس انسان سے جتنے دعاوی اور خبریں میں نے اس سے قبل سُنی ہیں۔ وہ

میں نے صحیح پائی ہیں۔ تو جب یہ انسان تمام ان واقعات کے بیان میں جو میرے علم کے احاطہ کے اندر صحیح تھے۔ راستباز ہے تو کیوں اس واقعہ کے بیان کرنے میں جو میرے احاطہ علم سے ابھی باہر ہے۔ راستباز نہ ٹھہرے چنانچہ اسی بناء پر تمام ڈاکٹروں اور طبیبوں کے ایسے نسخہ پر انسان اعتبار کرتا ہے۔ جو ابھی اس کے استعمال میں نہیں آئے اور استاد کی اس تعلیم پر اعتماد رکھتا ہے۔ جس کی دلیل سے وہ ابھی آگاہ نہیں۔ غرض تمام دنیا کی کاروبار جو باہم ایک دوسرے سے ہو رہی ہے۔ وہ اسی دلیل پر مبنی ہے۔ اگر اس طریق سے کوئی انسان ذرا بھی انحراف کرے۔ جو اس سے پہلے وہ استعمال کر چکا ہے۔ تو کسی نئے مرض کا وہ علاج نہیں کرا سکتا بلکہ نہ کسی پہلے مرض کا۔ کیونکہ پہلی دفعہ جب یہ بیمار ہوگا۔ اور اس کے ہاتھ میں یہی قانون ہو۔ کہ جب تک ایک نسخے کا اپنے اوپر تجربہ نہ کرے۔ اسے استعمال نہیں کرنا۔ تو پہلی دفعہ بھی اپنے علاج سے محروم رہے گا۔ اسی طرح اس کے تمام حوائج پورے ہونے سے رہ جائیں گے۔ اب اسی قاعدہ کے مطابق ہم اس شخص کے دعوے کو پرکھ سکتے ہیں۔ اور اس کے صدق پر یقین کر سکتے ہیں۔ جو یہ کہتا ہے کہ مجھے خدا نے لوگوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے ہم دیکھیں گے کہ اس دعوے سے پہلے یہ شخص اگر کسی قوم میں رہا ہے اور کسی انسان نے اس کو معاملات میں آزمایا ہے۔ یا کچھ خبریں اس سے سُنی

ہیں۔ تو اُن کا کیا نتیجہ نکلا ہے۔ اگر یہ شخص اپنے ہر معاملہ میں دیانتدار اور اپنی ہر بات میں راستباز نکلتا رہا ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ کہ اس دعوئے رسالت کو سابقہ زندگی کے تجربہ پر ہم سچا نہ یقین کریں۔ بالخصوص جب کہ وہ دعویٰ ایسی عمر میں اور ایسے حالات میں کرتا ہے۔ کہ وہ دعویٰ اس کے اغراض کے سراسر منافی ہو۔ اور اس کے لئے نہایت مشکلات کے سامنے کا باعث نظر آ رہا ہو۔ اور فی الواقعہ ہو بھی ایسا ہی۔ اور اس دعویٰ سے پہلے کئی قسم کے حالات زندگی اس کو ایسے پیش آئے ہوں کہ جن میں بظاہر کذب مفید بھی ہو۔ اور وہ اس سے مجتنب رہا ہو۔ پھر یہ دعویٰ اس عمر تک پہنچ کر ہوا ہو۔ جس سے پہلے پہلے تمام ضروریات انسانی اسے لاحق ہو چکے ہوں اور وہ ان سب کاموں میں صدق شعار ہی رہا ہو۔ تو ایسے وقت میں یہ گمان جنون کا شعبہ ہوگا۔ کہ اس مدعی کو راستباز یقین نہ کیا جائے۔ اسی زریں اصول کی طرف قرآن مجید کی یہ دو آئتیں رہنمائی کرتی ہیں۔

اوّل :۔ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (پارہ ۱۲۔ رکوع)

ترجمہ :۔ کہہ دے۔ اگر اللہ چاہتا تو میں تم پر یہ کلام ایسا نہ پڑھتا۔ اور نہ وہ تمہیں اس سے آگاہی بخشتا۔ کیونکہ میں تم میں ایک زمانہ اس سے پہلے گذار چکا ہوں۔ پس کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

دوم۔ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ (پارہ ۷، ع ۱۰)

ترجمہ۔ ہم جانتے ہیں کہ تجھے غم ہوتا ہے۔ ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں سو یہ لوگ تجھے نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ پہلی آیت میں یہ بیان کیا ہے۔ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم اپنے دعویٰ سے پہلے اُن لوگوں میں جو آپ کے دعویٰ کے منکر ہیں ایک عمر گذار چکے ہیں اور انہوں نے اس عمر کے اندر آپ سے کوئی کذب یا افترا نہیں دیکھا۔ تو ایسے لوگوں کی عقل سے اپیل کیا ہے کہ جب میں تمہارے ان معاملات میں راستباز ہوں کہ جو اس عمر میں پیش آئے ہیں۔ تو اب تمہارا کیا حق ہے۔ کہ تم مجھے مفتری اور جھوٹا سمجھو۔ کیونکہ عقل اس بات کو جائز قرار نہیں دیتی کہ جو شخص زمانۂ دراز سے راستباز اور امین رہا ہو۔ اس کے متعلق کسی ایسی خبر میں گمانِ کذب کیا جائے۔ جو وہ ہمارے علم سے باہر کسی امر کی نسبت دیتا ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ دعوے دنیوی نگاہ کے لحاظ سے اس کے آرام کے سخت منافی بھی ہو۔

(۲) اس آیت میں اس امر کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ کذب اور گناہ کے مدارج ہیں۔ ایک اپنی حیثیت کے انسان کو آدمی ذرا سختی سے بھی مخاطب کر سکتا ہے۔ لیکن اپنے سے بڑے کے ساتھ ایسا نہیں کرتا۔

ایک کام انسان ایک آدھ شخص کے سامنے کر سکتا ہے۔ لیکن پبلک میں اس کا اظہار نہایت مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک انسان معمولی آدمی پر ظلم کر سکتا ہے۔ جو اس سے انتقام نہیں لے سکتا۔ لیکن زبردست پر ظلم نہیں کر سکتا۔ انسان جب کبھی گناہ میں ترقی کرتا ہے۔ تو وہ یکدم انتہائی نقطۂ معصیت پر نہیں پہنچ جاتا۔ بلکہ اس کی ترقی آہستہ آہستہ ہوتی ہے یہی حال ہے کسی پر افترا کرنے کا پس جو شخص کہ مخلوق پر افترا کرنے سے یا اُن کے سامنے جھوٹ بولنے سے ہمیشہ محترز رہا ایسے شخص سے کیونکر ممکن ہے کہ وہ یکدم زمین و آسمان کے شہنشاہ پر افترا کرے۔ جو علیم بذات الصدور ہے چنانچہ دوسری آیت میں منکروں کی طرف سے اس امر کی گواہی دی ہے کہ وہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلّم) کو جھوٹا نہیں کہتے۔ بلکہ ان باتوں کی تکذیب کرتے ہیں۔ جو خدا کی طرف سے آپ پیش فرماتے ہیں۔ اور اس تکذیب میں وہ بے انصافی سے کام لے رہے ہیں۔ کیونکہ جس شخص کو وہ راستباز سمجھتے رہے اور اب بھی سمجھتے ہیں۔ جب وہ کوئی امر خدا کی طرف سے بیان کرتا ہے تو اسے جھوٹا کہنے کا انہیں کیا حق ہے۔ حالانکہ آپ کے دعویٰ رسالت کے بعد بھی وہ کئی دفعہ آپ کے صدق و امانت کی گواہی دینے پر مجبور ہوئے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضور نے صفا پر چڑھ کر تمام قبائل کو بلایا جب ان کے بہت سے قائمقام جمع ہو گئے۔ تو آپ نے ان سے خطاب

کرتے ہوئے پوچھا۔ کہ بتلاؤ اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک زبردست لشکر آرہا ہے۔ جو تمہیں تباہ کر دیگا تو کیا مجھے سچا سمجھو گے یا نہیں تو انہوں نے یکزبان ہو کر جواب دیا۔ کہ ہم ضرور سچا سمجھیں گے کیونکہ ہم نے آپ کا کوئی جھوٹ نہیں دیکھا۔ (ہمیشہ راستباز پایا) اس پر آپ نے فرمایا۔ کہ میں خدا تعالےٰ کی طرف سے تمہیں ڈرانیوالا ہوں۔ ان عذابوں سے جو تمہیں تباہ کر دینے والے ہیں۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ شعراء)

دوسری دلیل

مدعی رسالت جس اصلاح کو پیش کرے۔ اس میں چاہے دنیا کتنی ہی مخالف ہو۔ جس سے اس کے مال وجان آبرو۔ تعلقات۔ اخوت موادّت کے تباہ ہونے کا اندیشہ ہو۔ لیکن وہ ایسا دلدادہ ہو۔ کہ اپنے مقصد بعثت کو کبھی نہ چھوڑے اور بزدلی نہ دکھائے

ع — کہ صادق بزدلے نبود اگر بیند قیامت را

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم جن کی رسالت کا پہلا مقصد توحید خالص کا قیام اور آلہہ باطلہ کا انہدام تھا۔ آپ کو اس مقصد کے حصول میں بہت ہی مشکلات کا سامنا ہوا۔ کیونکہ آپ کی پیدائش ایسی قوم میں ہوئی۔ جو نہ صرف مشرک تھے۔ بلکہ مشرک گر تھے اور ایسے شہر میں ہوئی کہ جن کا مدار زندگی بُت پُوجنا اور پجوانا ہی تھا۔ بایں وجہ کہ شہر مکّہ وادی غیر ذی زرع تھا۔ اور وہاں کوئی ایسی چیز پیدا نہ ہوتی۔ جسے کھا کر انسان زندگی بسر کرے

ایسی جگہ کے رہنے والے لازمی طور پر دوسروں کے محتاج ہوتے ہیں۔ تجارت چل نہیں سکتی۔ کیونکہ تبادلہ کیلئے بھی آخر کوئی شے ہونی چاہیئے۔ پس ایسے لوگ اگر بُت پرستی کو مٹا دیتے۔ تو بظاہر حالات سوائے تباہی یا ترکِ وطن کے اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں ان کے توحید سے نفرت کرنے کا باعث یہی قرار دیا ہے۔

(۱) وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا (پارہ ۱۵ رکوع ۵)

(۲) وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ (پارہ ۲۴ - رکوع ۲)

(۳) وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ (پارہ ۲۰ ع ۹)

ترجمہ

(۱) اور جب تو قرآن میں اپنے رب کی توحید کا ذکر کرتا ہے۔ تو وہ نفرت سے بھاگ جاتے ہیں۔

(۲) اور جب اللہ کا توحید کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ تو جو لوگ آخرۃ پر ایمان نہیں رکھتے۔ اُن کے دل بھیچنے لگتے ہیں۔

(۳) اور کہتے ہیں کہ اگر ہم اس ہدایت کی پیروی کریں۔ جو تیرے ساتھ ہے تو پھر ہم اس ملک میں نہیں رہ سکتے۔

پس ایسے حالات میں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلّم کا توحید کو پھیلانا

اور مشکلات میں ثابت قدمی دکھانا۔ اس امر کی حجت تو یہ ہے۔ کہ آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے سچے رسول ہیں۔ کیونکہ ایسے مشکلات میں وہی ثابت قدم رہ سکتا ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے تسلّی دی جائے اور وہ اس قادر و توانا کا فرستادہ ہو۔ ورنہ دنیا کے طالب ادنیٰ ادنیٰ مشکلات میں نہ صرف اپنا دعویٰ ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ بلکہ خودکشی کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ کیا وہ وقت کوئی کم امتحان کا تھا۔ جس میں تمام بنو ہاشم کو اہلِ مکّہ نے بائیکاٹ کر دیا۔ اور آپ کو معہ اپنے کنبہ کے پہاڑ کی ایک کھوہ میں رہنا پڑا۔ جہاں یہ حالت تھی کہ وہاں سے گذرنے والا عورتوں اور بچوں کے بھوک سے بلبلانے کی آواز کانوں سے سنتا تھا۔ اور ان کے بڑوں کے حزن و ملال کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا تھا۔ پھر وہ وقت جب مکّہ سے آپ کو عبد یعلیل یہ کہہ کر کہ میں آپ کے امن کا ذمہ دار ہوں۔ آپ طائف میں تبلیغ کے لئے چلیں۔ ساتھ لے گیا۔ اور طائف کے تمام اوباشوں کو آپ پر پتھر پھینکنے کے لئے جمع کیا۔ اور آپ لہو لہان بھاگتے ہوئے واپس پھرے اور کئی میل ان شریروں نے آپ کا تعاقب کیا۔ اللہ اکبر اس وقت بھی آپ کی زبان پر یہی الفاظ تھے۔ اللھم اھدِ قومی فانھم لا یعلمون۔ پھر وہ وقت جب آپ کے چچا ابو طالب کے پاس صنادید قریش نے آکر کہا کہ یا تو اپنے بھتیجے کو ہمارے معبودوں کی

مذّمت سے روکو ورنہ اس کی حمایت سے دست بردار ی اختیار کرو۔ جس پر ابو طالب نے آنحضرت کو بلایا۔ اور کہا اے میرے بھائی کے بیٹے! اگر تو بُت پرستی کو چھوڑے تو میں تجھے اپنی حمایت میں رکھ سکتا ہوں ورنہ میرے لئے مشکل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے چچا! اگر وہ سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھدیں اور مجھے اس سے روکنا چاہیں۔ تو میں نہیں رُک سکتا۔ یہ خدا کا امر ہے۔ وہ اس کو ضرور پورا کریگا۔ پھر وہ وقت جب قریش نے اپنی طرف سے ایک قائم مقام ولید بن مغیرہ بھیجا۔ کہ وہ آپ سے یوں کہے کہ اگر تم بیمار ہو۔ تو ہم تمہارا علاج کریں۔ اور اگر بی بی کی خواہش ہے۔ تو ہم خوبصورت سے خوبصورت لڑکی مہیا کر دیں۔ اور اگر روپیہ چاہیئے تو ہم سب کی دولتیں حاضر ہیں۔ اور اگر بادشاہی کی ہوس ہے تو ہم بادشاہ بنانے کیلئے تیار ہیں۔ صرف ہمارے معبودوں کی مخالفت چھوڑ دیجئے۔ تو آپ نے ان کو بھی یہی جواب دیا۔ اور سورۃ حٰمٓ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے دو رکوع سنا کر سمجھا دیا کہ میں اشاعت توحید کو کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ اور جو میری مخالفت کریں گے وہ ہلاک ہونگے۔ پھر وہ وقت جب سب قبائل نے آپ کے قتل کرنے کا فیصلہ کر دیا اور ہر ایک کنبے سے ایک ایک سنگدل قاتل منتخب ہُوا۔ اور یہ تجویز ہوئی کہ یکدم حملہ کرکے مار دیں اور آپ کے مکان

کو گھیر لیا گیا۔ اس وقت بھی اپنے مقصد بعثت توحید کی اشاعت ہی پر استقامت تھی۔ جس نے آپ کو اور بھی سرگرم کر دیا۔ پھر جنگ حنین کا وہ وقت جب بارہ ہزار ہمراہی کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور آپ اکیلے دشمن کی فوج کے سامنے مردانہ وار کھڑے ہو کر باواز بلند فرما رہے ہیں۔ انا النبی لاکذب انا ابن عبد المطلب نہ نام چھپایا نہ دعویٰ چھپایا حالانکہ یہ ایسا وقت تھا۔ کہ جس میں کوئی مفتری چاہے وہ کتنا ہی شجاع ہو قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ تاریخی واقعات آپ کی صداقت پر حسب دلیل مذکورہ بالا شاہد ہیں۔

دلیل سوم تیسری دلیل یہ ہے۔ کہ جس ہدایت کی طرف وہ لوگوں کو بلائے اس پر پہلا عامل اور اوّل درجہ کا نمونہ خود ہو۔ کیونکہ جو شخص ایک امر کی دوسروں کو دعوت دیتا ہے۔ اور خود اس سے بچاؤ کرتا ہے۔ اس کی نسبت یہ گمان غالب ہو سکتا ہے۔ کہ وہ لوگوں کو فریب دینے والا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (پارہ ۲۱۔ ع ۱۹) (تمہارے لئے اس اللہ کے فرستادے میں نمونہ نیک ہے) اور مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (پارہ ۲۴ ع ۱۹) کون احسن القول ہے اس شخص سے جو اللہ کی طرف بلائے۔ اور نیک اعمال

بجالائے۔ اور اس امر کا دعوےٰ کرے کہ میں حکم کا فرمانبردار ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تعظیم لامر اللہ و شفقت علیٰ خلق اللہ کی طرف بلایا ہے۔ آپ کی زندگی ان دونوں ندیوں کے عبور کرنے کے لئے نہایت مضبوط پُل ہے۔ کیونکہ ایک طرف آپ کی عبادات کو دیکھیں تو آپ کے آٹھوں پہر گھیرے ہوئے ہیں۔ اور دوسری طرف مخلوقات سے خیر خواہی کا حال دیکھیں تو انسان چھوڑ حیوانوں تک کے آپ خیر خواہ ثابت ہوتے ہیں۔ عبادات میں تو یہ حال تھا۔ کہ رات کو تہجد پڑھتے ہوئے پاؤں کو ورم ہو جاتا تھا اور خیر خواہی کے لحاظ سے ایک مسکین لونڈی بھی آپ کو اپنے کام کے لئے کہتی تو اس کے ہمراہ ہو لیتے۔ چنانچہ جب آپ کی زندگی کی نسبت حضرت عائشہ صدیقہ (جو آپ کے ازواج مطہرات میں سے ہیں) سے پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ کان خلقہ القرآن یعنی آپ کی زندگی قرآن مجید کی عملی تفسیر ہے۔ اور یہ اس کی شہادت ہے۔ جس پر مرد کا کوئی امر مخفی نہیں رہ سکتا۔ اور جس کے سامنے کوئی بناوٹ اور تکلف انسان نہیں کر سکتا۔

دوسرا طریق اس بات کی جانچ پڑتال ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کا اثر بنی نوع انسان پر کیا پڑا اور حقیقت میں یہ طریق پہلے طریق کا ایک ضمیمہ ہے۔ کیونکہ کبھی انسان کی ذاتی قابلیت اس کی تاثیرات سے معلوم ہوتی ہے۔

تیسرا طریق اس امر میں غور کہ خدا کا اس مدعی سے کیا معاملہ ہے۔

دلیل اوّل - اللہ تعالیٰ کے نبی خالق اور مخلوق کے درمیان رابطہ پیدا کرنے کے لئے دنیا میں آتے ہیں۔ پس ان کی تاثیر ایسی ہونی چاہیئے۔ کہ مخلوق کی آنکھوں کے آگے جو خدا تک پہنچنے کے لئے روکیں اور ظلمتیں ہیں۔ وہ ہٹ جائیں۔ اور اللہ تعالےٰ کی صفات اُن رسولوں کے واسطے سے اس کی مخلوق میں آجائیں اور یہ لوگ متخلق باخلاق اللہ بن جائیں۔ پس جس شخص کی قوت قدسیہ سے ایسی جماعت تیار ہو جائے۔ جو فی الواقعہ نیکی کا ایک نمونہ ہو وہ ضرور خدا کی طرف سے راستباز اور مصلح مرسل ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلعم کے متعلق اس دلیل کو بیان فرمایا ہے:-

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ (پ ۱۳ ع ۱۳)

یہ کتاب جو تیری طرف نازل کی گئی ہے۔ یعنی تجھے رسول بنایا گیا ہے۔ تاکہ تو لوگوں کو ان کے مربی خدا کے ارشاد کے ماتحت اندھیروں سے نور یعنی زبردست خوبیوں والے خدا کے رستہ کی طرف نکال لائے۔

(۲) يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا

يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (پارہ ۲۸ سورہ جمعہ)

تسبیح بیان کر رہا ہے اللہ کے لئے تمام وہ جو کچھ آسمانوں میں ہے۔ اور زمینوں میں وہ اللہ جو بادشاہ ہے۔ نہایت پاک۔ عزت والا۔ حکمت والا۔ اس نے مبعوث کیا ہے۔ امیوں میں ایک رسول انہی میں سے جو ان پر اللہ کے احکام پڑھ کر سناتا ہے۔ اور ان کا تزکیہ کرتا ہے۔ اور ان کو کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً وہ امی اس سے پہلے کھلی کھلی گمراہی میں تھے۔ پھر اس رسول کا اثر اسی زمانہ تک محدود نہیں بلکہ ان لوگوں میں بھی اس کی بعثت اور تاثیر ہے۔ جو ان سے نہایت پیچھے آنیوالے ہیں۔ اور ابھی اُن سے نہیں ملے۔ اور وہ عزت والا اور حکمت والا ہے۔

ان آیات میں خدا تعالےٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیر بیان کی ہے۔ کہ آپ کا اثر لوگوں پر یہ پڑے گا۔ کہ وہ اندھیروں سے نکل کر نور کی طرف آئیں گے۔ اور خدا کے احکام سے واقف ہوں گے۔ پاک بنیں گے۔ کتاب حکمت کے عالم وعامل ہو جائیں گے۔ اس تقریب کو اس طرح سے بیان فرمایا۔ کہ تمام زمین وآسمان کی چیزیں خدا تعالیٰ کی تسبیح میں اس کی ان چار صفات کا اعلان کر رہی ہیں۔ کہ وہ ملک۔ قدوس۔ عزیز۔ حکیم ہے۔ لیکن اکثر لوگوں نے اس خدا کی فعلی کتاب سے خدا کی معرفت حاصل نہ کی۔ اور اس کی دلالت ان کے لئے ایسی مخفی ہوئی

کہ ان کے ذہن اس کے نتیجے تک نہ پہنچے۔ تو خدا تعالےٰ نے اپنی ہستی اور اپنے صفات کے ظاہر کرنے کے لئے یہ عام فہم طریق اختیار کیا کہ ایک رسول کو ایسی قوم میں کھڑا کیا۔ جو ان چار صفات سے بکلی محروم تھی یعنی نہ اُن میں بادشاہت تھی۔ نہ تقدس۔ نہ عزت نہ حکمت پھر اپنے رسول کے ذریعہ سے اس لا علاج بیمار۔ تمام نیکیوں اور ترقیوں سے محروم قوم کو ان چار صفات کا مظہر بنا کر ثابت کر دیا۔ کہ واقعی وہ خدا جس کی طرف سے یہ رسول مبعوث ہوا ہے۔ الملک۔ القدوس۔ العزیز اور الحکیم ہے چنانچہ تمام دُنیا کے مورخین اسبات کی گواہی دیتے ہیں، کہ جن لوگوں میں آنحضرت صلعم مبعوث ہوئے۔ وہ واقعی ایسے تھے کہ دینی و دنیاوی ترقیات سے محروم تھے۔ نہ ان پر شام کے مذہب کا کچھ اثر تھا۔ نہ ایران کی سلطنت کا۔ آخر وہ وقت آیا کہ وہ نہ صرف خود ہدایت یاب ہوئے۔ بلکہ ان دونوں ملکوں پر حاکم اور ان کے ہادی بن گئے۔ اور انہوں نے وہ عزت پائی۔ کہ آج تک ان کے نام کے کیساتھ رضی اللہ عنہم کہا جاتا ہے۔ اور ان کی حکمت سے ایک عالم سبق آموز ہے۔ پھر یہ فیض انہی تک محدود نہ رہا بلکہ اس زمانہ میں ایک اور جماعت انہی کے نقشِ قدم پر تیار ہوئی۔ جس نے ایک دفعہ پھر ثابت کر دیا کہ آنحضرت صلعم بنی نوع انسان کو عزت دینے والے اور حکمت سکھانیوالے ہیں۔

دلیل دوم:۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو شخص آئے اس کا اثر معمولی اثر نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ معمولی اثر تو ہر مذہب کے واعظین اور نیک لوگوں کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ اس کا اثر خارق عادت طور سے دنیا پر ظاہر ہونا چاہیئے اور اس کے ظہور کی کسوٹی دنیا کی مخالفت ہے۔ کیونکہ انسان جب مخالفت کے نرغے میں آتا ہے۔ تو اسی وقت اس کے دلی اعتقاد اور استقامت کا پتہ لگتا ہے۔ ان لوگوں (ماموران الہیٰ) کی مثال دنیا میں ایسی ہوتی ہے جیسا ایک رسّہ ہو۔ جس کے ایک طرف کھینچنے کیلئے سارا جہان ہو۔ اور دوسری طرف اکیلا مرد میدان ہو۔ اور وہ جہان کو اپنی طرف کھینچ لے۔ نہ یہ کہ وہ ان کی طرف کھچا جائے۔ ان لوگوں کی طرف جب کوئی شخص قدم بڑھاتا ہے۔ تو اس کے پہلے خیالات یعنی اس کا دماغ اور اس کے ذاتی ضروریات اس کے بیوی بچے اور بھائی اس کے پہلے استاد اور پیر اس کی قوم اور اس کا جتھا اور اس کا ملک اور ملک کی مصلحتیں ان کی طرف جانے سے یہ سب چیزیں متفق ہو کر روکتی ہیں۔ پس ایک شخص کو بھی ایسے لوگ اپنے رنگ میں رنگین کریں۔ تو ان کی صداقت کی دلیل ہے۔ اور عظیم الشان معجزہ ہے۔ چہ جائیکہ لاکھوں انسانوں کو وہ اپنی طرف کھینچ لیں۔ اور اپنا رنگ ان پر چڑھا دیں۔ یعنی وہ اخلاص اور وہ استقامت جو ان میں تھی۔ اُن کے متبع میں بھی موجود ہو جائے۔ یہ مطیع اور مطاع کا اتحاد اس کے

خدا کی طرف سے ہونے کی زبردست دلیل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نبی کریم
کی صداقت میں یہی دلیل دیتا ہے:۔

(۱) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ
يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ (پارہ ۳ ع ۱۲)

(۲) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ
رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا
مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (پارہ ۲۶ ع ۱۲)

ترجمہ:۔ اعلان کر دے کہ اگر تم اللہ کے سچے طالب ہو۔ تو میری پیروی کرو
تو وہ تمہیں اپنا محبوب بنائے گا۔ اور تمہاری کمزوریوں پر پردہ ڈال دیگا
محمد اللہ کا فرستادہ ہے۔ اور وہ جو اس کے ساتھ ہوئے۔ وہ منکرین
ہدایت کے مقابل میں شدید یعنی اثر ڈالنے والے ہیں۔ اور آپس میں
رحما ہیں۔ تم ان کو خدا کی فرمانبرداری کے لئے جھکے ہوئے اور اسی کے
دروازے پر پڑے ہوئے دیکھو گے۔ اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی
کا حصول ان کی زندگی کا مقصد ہے۔

ان آیات کے مطابق آنحضرت صلعم کے متبعین نے آپ کے زمانہ میں
اور آپ کے بعد عجیب عجیب استقامت دکھائی اور مشکلات کے وقت
میں وہی عزم اور صبر کے نمونے دکھائے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھائے

نبی کریمؐ کو لا الٰہ الا اللہ کے پھیلانے میں جو تکلیف پیش آئی۔ اور آپ نے استقامت
دکھلائی۔ بلالؓ کو اس کلمہ کے اظہار پر کیا کچھ مصیبت کا منہ دیکھنا پڑا۔ ان کی ناک
چھیدی گئی۔ اور گرم ریت۔ گرم پتھر پر ان کو لٹایا گیا۔ تاکہ وہ اس کلمۂ توحید کی
شہادت کو چھپائیں۔ پھر یاسرؓ جسے اسی باعث سے دو اونٹوں کے ساتھ باندھ
کر دو ٹکڑے کر دیا گیا۔ پھر اس کی بی بی سمیہؓ کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ تاریخ میں
موجود ہے۔ اسی زمانہ میں نہیں بلکہ اس کے بعد بھی آنحضرت صلعم کے متبعین نے
ایسے ایسے نمونے دکھلائے۔ اور حق پہ جان نثار کی۔ اس زمانہ میں بھی
صاحبزادہ عبد اللطیف شہید مرحوم کابل میں ایسا نمونہ دکھا چکے ہیں۔ اور
اپنے اموال وجائداد کی قربانی دکھانے والے تو اس ہمارے ملک میں سینکڑوں
موجود ہیں۔ پھر آپ کے متبعین کے محبوب الٰہی ہونے کا ثبوت یہ بھی ہے۔
کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے محبت کی باتیں کیں۔ اور ان کو اپنے کلام سے سرفراز
کیا۔ جیسا کہ اس نے اپنے محبوب بندوں کے لئے قرآن کریم میں اپنے کلام سے
مشرف کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (پارہ ۱۱ ع ۱۲) (۲) اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ
ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ

اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ٥ (پارہ ۲۴ ع ۱۸)

اللہ کے اولیاء کو نہ کوئی خوف ہے۔ اور نہ وہ حزن کرتے ہیں۔ وہ مومن ہیں اور متقی۔ ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بشارتیں ہیں (مبشر کلام) اور بعد الموت بھی۔ اللہ کے کلموں کو بدلنے والا کوئی نہیں۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ جو کہتے ہیں۔ کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ پھر اس پر استقامت دکھاتے ہیں۔ ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ کہ تم ڈرو نہیں نہ غم کھاؤ۔ اور اس جنت سے بشارت پاؤ۔ جس کا تم کو وعدہ دیا جاتا ہے۔ اس کی مثالیں آنحضرت صلعم کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک موجود ہیں۔ صحابہ میں سے حضرت عمرؓ۔ وسط میں سید عبدالقادر جیلانی۔ آخری زمانہ میں مسیح موعود علیہ السلام۔

تیسری دلیل:۔ ان کی تاثیر ان کے ماننے والوں اور پیرووں تک ہی محدود نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کے منکرین ومخالفین پر بھی مستولی ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ بھی اپنے اعمال اور عقائد میں کچھ ترمیم کرنے لگ جاتے ہیں۔ گو زبان سے اقرار نہ کریں۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ٥ (پارہ ۱۴ شروع) اکثر اوقات منکر بھی یہ پسند کرنے لگتے ہیں۔ کہ وہ مسلمانوں میں داخل ہو جائیں۔ یہ تمنّیٰ آینا ہے۔ اس لئے صاف ثابت ہے کہ دلائل سے اور عمدہ نتائج سے متاثر ہو کر وہ اس امر کی آرزو کر رہے ہیں۔ چنانچہ اسلام کے بعد ہم ہر ایک فرقہ میں یہ دعویٰ

دیکھتے ہیں کہ وہ توحید پر ہیں۔ گو ان کی توحید بلحاظ تشریح صحیح نہ ہو۔ تاہم حق کا یہ اثر ہے کہ وہ توحید سے انکار نہیں کرتے۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ رومن کیتھلک سے پرٹسٹنٹ بھی اسی کا نتیجہ ہے۔ پھر ہندوؤں میں آریہ سماج تو ہمارے زمانہ میں قائم ہوئی۔ اور موجودہ جنگ نے تو بہت سی اسلامی تعلیموں پر چلنے کے لئے مجبور کر دیا ہے۔ مثلاً ترک خمر۔ مسئلہ کثرت ازدواج۔ اور مظلوموں کی حمایت اور آزادئ اقوام کے لئے تلوار اٹھانا اس قسم کے بیسیوں مسائل ہیں۔ جو اسلام کے غیر متبعین نے بھی اسلام کے دنیا پر ظاہر ہونے کے بعد کسی نہ کسی وجہ سے قبول کئے اور ان پر عمل کر کے فائدہ اٹھایا۔

تیسرا طریق:۔ یہ کہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونے کا دعویٰ کرے۔ خدا کا اس کے ساتھ کیا معاملہ ہے۔ کیونکہ اس شخص کے متعلق جو منجانب اللہ ہونے کا مدعی ہو۔ تین خیال ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ مفتری ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ مجنون ہے۔ تیسرا یہ کہ وہ راستباز ہے۔ اس لئے ہر ایک احتمال کی تائید یا تردید جب تک نہ ہو۔ کوئی رائے طالب حق انسان قائم نہیں کر سکتا۔ لہذا ضروری ہوا۔ کہ ان تینوں احتمالوں کے متعلق الگ الگ جوابات لکھے جائیں۔ تاکہ طالب حق فیصلہ کر سکے۔

پہلا خیال:۔ کہ وہ مفتری ہے۔ تو اس کے متعلق یہ دیکھنا ہے۔ کہ جب

معمولی بادشاہ بھی اپنی سلطنت میں کسی جعلی حاکم کو معلوم ہونے پر فوراً پکڑتا ہے۔ تو وہ جو شہنشاہ اور احکم الحاکمین ہے۔ جس نے اپنا راستہ دکھانے کے لئے انبیاء مبعوث کئے ہیں۔ اس پر ایک لمحہ کیلئے بھی یہ گمان ہو سکتا ہے؟ کہ وہ مفتری کو اتنی مہلت دے۔ کہ ایک ملک کو گمراہ کر دے۔ اور وہ قادر و توانا اپنے زبردست ہاتھ سے قہری نشان نہ دکھلائے۔ جو شخص خدا کو مانتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ خدا اپنی مخلوق کے لئے ارحم الراحمین ہے۔ اور ان کی ہدایت چاہتا ہے۔ اس کی عقل ضرور یہی کہیگی۔ کہ بے شک خدا کا رحم اور حلم مفتری کے اوپر کبھی نہیں ہونا چاہیئے۔

چنانچہ اسی امر کی طرف اللہ تعالےٰ نے ان آیات میں ہدایت کی ہے:-

(۱) وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ ۝ (پارہ ۲۹ ع ۷)

(۲) اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ۝ (پارہ ۹ ع ۹)

یعنی اگر وہ بعض باتیں از خود بنا کر کہد یتا۔ تو ضرور پکڑ لیتے ہم اس کا داہنا ہاتھ پھر ضرور کاٹ دیتے رگِ جان کو بے شک جنہوں نے بچھڑوں کو معبود بنایا ان کو غضب اور ذلت اسی دنیا میں پہنچے گی۔ اور اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں مفتریوں کو۔ ان آیتوں میں اللہ تعالےٰ نے اپنے اس اٹل قانون کو بیان

فرمایا ہے۔ کہ خدا پر افتراء کرنیوالا تباہ کیا جاتا ہے۔ اس پر خدا کے غضب اور لعنت کے آثار دنیا میں ہوتے ہیں نہ رحمت کے اور وہ اسی دنیا میں ہر میدان میں ذلت اُٹھاتا ہے۔ نہ عزت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت دنیا میں تشریف لائے تو اس وقت اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ اور مشرکینِ عرب و ایران و ہند دنیا پر موجود تھے۔ آپ نے ان تمام مذاہب کی تردید کی۔ اگر وہ مذاہب سچے ہوتے اور آپ نعوذ باللہ خدا کے علم میں مفتری ہوتے۔ تو خدا جو سچائی اور سچوں کا حامی ہے۔ ضرور ایسے انسان کو جس نے اتنے سچے مذاہب کا مقابلہ کیا تھا۔ اور ایسا افترا کیا تھا۔ جس سے کروڑوں انسانوں کا دل دُکھا۔ ہلاک کر دیتا۔ اور دُنیا میں ذلیل کر کے عبرت کا نشان بناتا۔ مگر ایسا نہیں ہُوا۔ علاوہ ازیں مفتری اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتا۔ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر دنیا سے اُٹھ جائے۔ اور اس کی غرض دنیا میں پوری ہوتی رہے۔ اور اس کا سلسلہ جاری رہے۔ تو گویا وہ نہیں مرا۔ کیونکہ انسانی اغراض شخصی بقا پر نہیں ہوتیں۔ نوعی بقا اس کے لئے کافی ہے۔ اس لئے مفتری نہ اپنی زندگی میں کامیاب ہونا چاہیئے۔ اور نہ اس کے بعد اس کا سلسلہ جاری رہنا چاہیئے۔ اسی مقصد کو اللہ نے اس آیت میں ظاہر فرمایا ہے۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (پارہ ۷۔ رکوع ۹)

اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے۔ جو خدا پر جھوٹ باندھے۔ یا اس کی آیات کی تکذیب کرے۔ کیونکہ قانون یہ ہے۔ کہ ظالم بامراد نہیں ہوتے۔ اب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جس مقصد کو دنیا میں لے کر آئے اسے پورا کر کے کامیاب و کامران دنیا سے رخصت ہوئے۔ اور پھر خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو قیام تک قائم رکھنے کیلئے وعدہ[1] کیا۔ جسے ہم تیرہ سو برس سے برابر مشاہدہ کر رہے ہیں۔ کہ بذریعہ خلفاء روحانی و جسمانی وہ مقصد پورا ہوتا چلا آتا ہے۔ اور ان شاء اللہ قیامت تک ایسا ہی رہے گا۔

دوسرا خیال:۔ کہ وہ مجنون ہے۔ یعنی پہلے خیالات اس کے درست تھے۔ اب دماغی خرابی کی وجہ سے ایسے خیالات اسے سوجھنے لگے۔ جو دوسرے عقلمندوں کے خلاف ہیں۔ چنانچہ اسی بناء پر لوگوں نے خدا کی طرف سے آنے والوں کو مجنون بھی کہا۔ اس لئے کوئی معیار ہونا چاہیئے۔ جس سے مدعی مجنون اور مدعی صادق کے درمیان تمیز کر سکیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مجنون کے اقوال میں بے ترتیبی ہوتی ہے۔ آج وہ کچھ کہتا ہے۔ کل کچھ۔ بلکہ ایک وقت کی تقریر و تحریر بھی مسلسل و مربوط نہیں ہوتی۔ اور نہ اس کی محنت کا کوئی پھل ہوتا ہے۔ اور نہ اس کے اخلاق درست ہوتے ہیں

---

[1] دیکھو آیت استخلاف وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ ۝ (پارہ ۱۸۔ رکوع ۱۳ سورہ نور)

دوست سے دشمنی اور دشمن سے دوستی کر بیٹھتا ہے۔ چنانچہ اسی امر کی طرف اللہ تعالےٰ نے آیات ذیل میں ارشاد فرمایا ہے۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝ (پارہ ۲۹ سورہ ن)

ترجمہ:۔ شاہد ہے قلم اور وہ جو لکھ رہے ہیں۔ (یعنی قرآن) کہ تو اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں اور تیرے لئے تیری محنت کا نتیجہ بھی ایسا نکلے گا۔ جو کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ اور تو بے شک خلق عظیم پر ہے۔ یہ سب باتیں تو بھی دیکھ لے گا۔ اور یہ بھی دیکھ لیں گے۔ کہ کون مجنون ہے۔

ایک زمانہ گواہ ہے۔ کہ آنحضرت صلعم سے جو باتیں دنیا میں لکھی گئیں۔ وہ علم و حکمت سے پُر ہیں۔ اور جو محنت آپ نے توحید پھیلانے میں کی۔ اس کے نتیجے کا درخت قیامت تک بار آور ہے اور آپ کے اخلاق فاضلہ کا تو عالم ہے۔ کہ آپ کے پاس ہر ایک قسم کے انسان آتے اور آپ ان سے ایسے رنگ میں پیش آتے۔ جن کے وہ مستحق تھے۔ پس یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ نہ آپ مفتری تھے اور نہ آپ مجنون۔ پس نفی ضد سے دوسری بات یعنی صادق و مصدوق ہونا آپ کا ثابت ہو گیا ۔

تیسرا خیال:- یہی ہو سکتا ہے کہ آپ راستباز ہیں اور راستبازوں میں بھی کامل واکمل بلکہ مکمل۔ سو اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ اس شخص کے لئے جو منجانب اللہ مامور ہونے کا مدعی ہو کوئی ایسا انعام ہونا چاہیئے جو اس میں اور غیروں میں ما بہ الامتیاز ہو۔ اور وہ انعام ایسا ہی ہو سکتا ہے۔ جو محض ذات باری تعالےٰ سے مخصوص ہو۔ دو امر ہیں۔ ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کے فعل کی مانند کوئی فعل نہیں کر سکتا۔ دوسرا یہ کہ خدا عالم الغیب ہے۔ پس خدا تعالیٰ کا کوئی فعل خصوصیت سے اس مدعی کے شامل حال ہونا چاہیئے۔ جس پر غیر قادر نہ ہو سکے۔ اور علم غیب سے بھی اس کو اتنا حصہ ملنا چاہیئے۔ کہ جو اس کے غیر میں نہ پایا جائے۔ وہ فعل خدا تعالےٰ کا کلام ہے۔ جو خدا کے نبیوں کو دیا جاتا ہے۔ جسے وہ تحدی سے پیش کرتے ہیں۔ ان کا غیر اس کی مثل لانے پر قادر نہیں ہوتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس معیار کو پیش کیا ہے۔

(۱) اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (پارہ ۱۲ ع ۲)

کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے افتراء کیا ہے۔ پس لاؤ اس کی مثل دس سورتیں از خود

بنائی ہوئی۔ اور اللہ کے سوا جسے تم بلا سکو بلا لو۔ اگر تم سچے ہو۔ اگر وہ اس کا جواب نہ دے سکیں۔ تو یقین کرو۔ کہ یہ خدا کے علم کو لے کر نازل ہوا ہے اور یہ کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس کیا تم ماننے والے بنتے ہو؟ اس کے مطابق آنحضرت صلعم کی طرف سے قرآن مجید کی مثل لانے کی تیرہ سو برس سے تحدّی ہے۔ اور مشرق و مغرب میں علماء و فضلاء موجود ہیں۔ لیکن منکرین میں سے کوئی ایسا نہیں اٹھا۔ جو اس کی نظیر پیش کر سکے۔ اور دوسرا امر اخبار بالغیب ہے۔ کیونکہ علم غیب خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ جس میں یہ پایا جائیگا ثابت ہوگا۔ کہ خدا کا خاص بندہ ہے۔ جس نے یہ خدا سے حاصل کیا۔ اللہ تعالےٰ آیات ذیل میں ارشاد فرماتا ہے:-

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ (پارہ ۴۔ رکوع ۹)

اور اللہ کسی کو اپنے غیب پر آگاہ نہیں فرماتا۔ ہاں منتخب کر لیتا ہے اپنے رسول کو جن کو وہ چاہتا ہے۔ پس اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔

(۲) عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (پارہ ۲۹ سورۃ الجن)

وہ عالم الغیب ہے کسی کو اپنے غیب پر غلبہ نہیں دیتا بجز برگزیدہ رسول کے۔

اس معیار کے مطابق حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم خدا کے

نبی ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ آپ نے بہت سی پیشگوئیاں فرمائیں۔ جن میں سے بعض آپ کے سامنے پوری ہوئیں۔ اور بعض آپ کے بعد جو قیامت تک پوری ہوتی رہیں گی۔ ان میں سے بعض کا ذکر ہم قرآن کریم کے مضمون میں کر چکے ہیں اور باقی بعض براہین احمدیہ صفحہ ۲۱۹ سے ۲۴۱ تک پڑھ لیں۔ پھر احادیث میں بھی کئی پیشگوئیاں[۱] آئی ہیں۔ باقی رہا یہ کہ آپ کامل و اکمل نبی ہیں۔ سو اس کے لئے یہ دیکھنا ہے کہ ایسی تعلیم کون نبی لایا۔ جو تمام زمانوں میں تمام قوموں کیلئے کافی ہو۔ اسکا ثبوت بھی ہم "قرآن کامل کتاب ہے" والے مضمون میں دے چکے ہیں۔

لے (۱) جنگ خندق کے بعد آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ آئندہ مخالفین ہم پر حملہ نہ کر سکینگے۔ بلکہ انکے خلاف ہم حملہ آور ہونگے (بیہقی)
(۲) کسریٰ کے مرنے کی خبر دی۔ کہ آج رات وہ مارا گیا۔ چنانچہ بعد میں اسکی تصدیق ہو گئی (بیہقی) (۳) فرمایا عثمان بن طلحہ سے کہ ایکدن کعبہ کی کنجیاں میرے ہاتھ میں آئیں گی۔ جسے چاہونگا۔ دونگا۔ فتح مکہ کے دن یہ بات پوری ہوئی (طبقات) (۴) نجاشی شاہ حبشہ کے مرنے کی خبر دی کہ آج وہ مر گیا (صحیحین) (۵) ابوبکر محفوظ رہیں گے مگر عثمان و عمر شہید ہونگے (صحیحین) (۶) مسلمان کسریٰ ایران کے خزانوں پر قابض ہونگے (مسلم) (ب) تم عنقریب ملک مصر فتح کرو گے۔ ان سے اچھا سلوک کرنا۔ حضرت عمر کی خلافت میں ایسا ہوا (مسلم) (۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی بن حاتم سے فرمایا۔ کہ تو دیکھیگا۔ اکیلی عورت اونٹ پر سوار ہو کر مکہ کا حج کریگی۔ اور ایک شخص چاندی سونے کی مٹھی بھر کر دیئے پھرے گا۔ اور کوئی اسے قبول نہ کریگا۔ (بخاری)
(۸) آپنے دیکھا کہ آپکے پیرو جہازوں میں جہاد کر رہے ہیں۔ اور ام حرم ان میں ہے۔ پھر دیکھا۔ کہ قسطنطنیہ کے ساتھ جنگ ہوئی۔ چنانچہ عثمان غنی کے عہد میں ایسا ہوا۔ ام حرم بھی ان میں تھی۔ (بخاری)
(۹) حسن مسلمانوں کے دو فریقوں میں صلح کرائیگا۔ چنانچہ سنہ ۴۱ ہجری میں آپنے اپنا دعویٰ چھوڑ دیا۔ اور معاویہ سے صلح کرلی۔ (بخاری) (۱۰) مسیلمہ کذاب جس کے بہت سے پیرو تھے تباہ ہوگا (صحیحین)
(۱۱) عیسائیوں کی تعداد قبل از قیامت سب سے زیادہ ہوگی۔ (ابوداؤد)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

قیامت کا ثبوت

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ لَا رَیْبَ فِیْہِ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا ○ (پارہ ۵ ع ۸)

قیامت کیا ہے؟ ایک دن ہے۔ جس میں تمام اولین و آخرین جن و انس اس فانی دنیا سے گذر جانے کے بعد اپنے اعمال کے مطابق جزاء و سزا بھگتنے کیلئے جمع ہونگے۔ اگر کوئی روح اپنے نیک کاموں سے اس چندروزہ زندگی میں ممتاز رہی۔ تو وہاں دائمی راحت میں داخل ہو کر ہمیشہ کے لئے رنج و محن سے چھوٹ جائیگی۔ اور اگر برخلاف اس کے بُرے کاموں میں زندگی بسر کی اور خدا کی درگاہ سے تعلق عبودیت نہ باندھا۔ تو وہ اپنے اعمال کے مطابق سزا اور شدید عذابوں کی مستحق ہوگی۔ یہ مسئلہ قریباً تمام مذاہب عالم میں مسلم ہے اور سب کے نزدیک انسان اس دنیا میں کام کرنے کے لئے اور اگلے جہان کے لئے توشہ اکٹھا کرنے کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (سورۃ الملک پارہ ۲۹)

یعنی یہ سلسلہ حیات اور پھر اس کے بعد سلسلہ موت جو قائم کیا گیا ہے۔ اس کی غرض یہ ہے۔ کہ تا تمام لوگوں میں نیک اور بد متقی اور فاجر کی تفریق ہو کر جزاء سزا دی جاوے۔ لیکن ہر زمانہ میں بعض بدبخت ایسے پیدا ہوتے آئے ہیں۔ جو اس عظیم الشان مسئلہ کے کافر اور یوم قیامت کے سرے سے ہی منکر چلے آئے ہیں۔ اس لئے قرآن مجید نے قیامت کے متعلق ایسی تفصیل سے ذکر کیا ہے اور ایسے ایسے اعلیٰ اعلیٰ دلائل دیئے ہیں کہ یہ بات خیال میں نہیں آسکتی۔ کہ کسی اور مذہب نے اس کے پاسنگ برابر بھی ذکر کیا ہو۔ علاوہ ازیں قرآن مجید نے منکرین قیامت کے تمام دلائل کا ذکر کر کے ان کا مسکت جواب دیا ہے۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے۔ جس کی نظیر کسی الہامی کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ یہ مضمون نہایت وسیع پیمانہ پر قرآن مجید میں آیا ہے۔ لیکن میں نمونہ کے طور پر پہلے قیامت کی چند دلیلیں نقل کر کے پھر منکرین کے بڑے بڑے اعتراضات کا جواب درج کروں گا۔ وما توفیقی الا باللہ

دلیل اول

پہلی دلیل قرآن مجید اس طرح پر بیان فرماتا ہے لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (پارہ ۲۹ ع ۱۷)

اس آیت میں قرآن مجید نے قیامت کے دن کو نفس لوامہ کے ذریعہ ثابت کیا۔ کہ ہر ایک انسان میں یہ بات طبعی طور پر رکھی گئی ہے کہ جب وہ کوئی برا کام

کرتا ہے۔ تو اس کا نفس اندر ہی اندر سے اُسے ملامت کرتا ہے اور وہ شخص ایسا کام کر کے کبھی حقیقی راحت اور خوشی محسوس نہیں کرتا۔ گویا ایک ڈاکو نفسانی حرص و طمع کے زور سے کسی شخص کو قتل کر کے اس کے مال سے اپنا گھر بھرے۔ لیکن تخلیہ میں اس کا نفس اسے ضرور ملامت کرتا ہے اور اسے وہ خوشی کبھی نصیب نہیں ہو سکتی۔ جو ایک تاجر کو ایمانداری کے ساتھ تجارت کرتے ہوئے مالدار ہونے کی وجہ سے ہو سکتی ہے۔ یہی حال تمام چوروں اور ناجائز طریقوں پر کام کرنے والوں کا ہے۔ سو یہ اندرونی ملامت اور افسوس ہی دلالت کرتے ہیں۔ کہ ایک دن ضرور آنیوالا ہے۔ جس دن ہم کو اس بڑے کام کا نتیجہ ملے گا۔ کیونکہ اگر بُرے کام کا بدلہ بُرا نہیں اور بدیوں کا نتیجہ خوفناک نہیں۔ تو پھر یہ نفس میں ملامت کیوں پیدا کی گئی ہے۔ اس ملامت سے ہی پتہ چلتا ہے۔ کہ آگے ایک خطرہ کا مقام ہے۔ جس سے ہمارا نفس لوامہ ہم کو روکنا چاہتا ہے۔ یہ بات تجربہ سے معلوم کی گئی ہے۔ کہ ایک بکری جس نے عمر بھر بھیڑیا نہیں دیکھا اگر ایک بھیڑیا کے سامنے کی جاوے۔ تو وہ خوف کے مارے ہلاکت تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کی وجہ بھی وہی فطرتی تقاضا ہے۔ بھیڑیا اس کے خون کا پیاسا ہے۔ اور اس کا جانی دشمن ہے۔ اس لئے اس کی فطرت میں رکھا گیا ہے کہ وہ اس سے لرزاں و ترساں رہے۔ اسی طرح ایک دن بُرے کاموں کی سزا کے لئے مقررہ ہے۔ اس لئے ہم میں نفس لوامہ رکھا گیا۔ تاکہ

وہ گناہ کے وقت ہمیں ملامت کر کے آگاہ کرتا رہے۔ کہ یہ کام آئندہ مت کرنا۔ اس کا نتیجہ آگے چل کر بُرا نکلے گا۔

دلیل دوم

اسی طرح ایک اور مقام پر قیامت کی ایک اور دلیل دیتا ہُوا فرماتا ہے۔ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ط لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ لَا رَیْبَ فِیْہِ ط وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا ٥ اس آیت میں قیامت کا ایک عجیب ثبوت بیان فرمایا ہے۔ کہ اے لوگو! میں خدا ہوں اور میرے سوا اور کوئی شخص خدائی کا دم نہیں مار سکتا۔ چونکہ میں تم کو خبر دیتا ہوں کہ قیامت کا دن ضرور آنیوالا ہے۔ اس لئے میرا کہنا ہی ایک کافی دلیل ہے۔ کیونکہ میں نے یہ قرآن نازل کر کے اس میں ہزاروں پیشگوئیاں کیں جو پوری اتریں اور ہزاروں علوم بیان کئے جس کی سچائی روز روشن کی طرح ظاہر ہوئی جو حکم دیا وہ حق و حکمت پر مبنی ثابت ہُوا۔ اور جس بات سے روکا وہ واقعی تمہارے لئے مضر پائی گئی۔ اور جو خبر دی وہ سچی نکلی تو کیا جب ہزاروں باتوں میں تم نے میرے علم میری قدرت میری سچائی کا مشاہدہ کیا۔ اس بات میں شک کر سکتے ہو۔ کہ باوجود میرے دعوے کرنے کے پھر قیامت نہ آوے۔ غرض اس آیت میں خدا تعالےٰ نے قیاس استقرائی کے طور پر قیامت کا ثبوت دیا ہے کہ جب تم نے ہمیشہ دعاوی کو پورا ہوتے دیکھا اور خبروں کو درست نکلتے ملاحظہ کیا۔ اور میری سچائی کا کامل طور پہ

مشاہدہ کیا تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ میری خبر بھی درست نکلے۔ کیونکہ تم پر اچھی طرح ثابت ہو چکا ہے۔ کہ میری ذات پاک جیسا کوئی سچا اور سچائی کا حامی نہیں۔

دلیل سوم

پھر تیسری دلیل قرآن حکیم اس طرح پر فرماتا ہے اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ یَفْصِلُ بَیْنَھُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فِیْمَا کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ ٥ اَوَلَمْ یَھْدِ لَھُمْ کَمْ اَھْلَکْنَا مِنْ قَبْلِھِمْ مِنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسَاکِنِھِمْ اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَاٰیَاتٍ ط اَفَلَا یَسْمَعُوْنَ ٥ (سورہ سجدہ رکوع ۳) یعنی جس قدر مذاہب اس وقت روئے زمین پر موجود ہیں خواہ سچے ہوں یا جھوٹے سب کا حقیقی فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ اور جو لوگ سچائی کے حامی اور حق پر ہوں گے۔ وہ کامیاب اور مظفر و منصور ہوں گے۔ اور جو ناراستی کے شیدا اور حق کے مخالف ہوں گے۔ انہیں جہنم میں داخل کیا جاویگا۔ اس کا ثبوت کیا ہے؟ وہی گذشتہ تجربے جو آدمؑ کے وقت سے لے کر اب تک کرتے آئے ہو۔ یعنی دنیا میں بڑی قومیں آباد ہوئیں اور مضبوط سے مضبوط حکومتوں کی بنیادیں پڑیں۔ لیکن خدا کے نبی آئے اور نہایت بے سرو سامانی کی حالت میں آئے انہوں نے اگر بڑے بڑے لوگوں کو سمجھایا کہ تم خدا سے تعلق باندھو تو تمہاری حکومتیں برقرار رہیں گی۔ اور

تمہاری جاہ وعزت قائم رہیگی۔ اگر تم نے ہماری بات کی پرواہ نہ کی اور خدا کے احکام سے منہ موڑا تو ہماری پیشگوئی یاد رکھو کہ تم اسی دُنیا میں ہماری آنکھوں کے سامنے تباہ ہو جاؤ گے۔ تمہاری حکومتیں جاتی رہیں گی۔ تمہاری عزت وعظمت برباد ہو جائیگی۔ اور تم مصیبتوں میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو جاؤ گے پھر اسی پر بس نہیں بلکہ مرنے کے بعد تم پھر زندہ کئے جاؤ گے۔ ایک دن ایسا آئیگا۔ جس میں ابدی دکھوں اور عذابوں میں ڈالے جاؤ گے۔

اب ہم نبیوں کے اس دعویٰ کو واقعات کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ دُنیا کی ہر قوم اور ہر ملک میں ایسے برگزیدہ لوگ آئے اور نہایت غربت اور تنہائی کی حالت میں آئے اور ایسے مخالفوں میں آئے جن میں عزت اور حکومت مال اور دولت کسی بات کی کمی نہیں تھی طاقت و قدرت کا یہ عالم کہ ہزاروں لاکھوں بندگانِ خدا کو ایک دم میں فنا کر دیں سلطنتوں کی سلطنتیں نیست و نابود کر دیں۔ مگر پھر باوجود ان سامانوں ان حکومتوں اور دولتوں کے وہ نبیوں کے کہنے کے مطابق بالکل ہلاک ہو گئے تو کیا وجہ ہے کہ ہم ان راست بازوں کی ایک پیشگوئی کو تو سچ مان لیں اور دوسری بات کو غلط۔ دیکھو حضرت موسیٰؑ فرعون جیسے بادشاہ کی ایک ادنےٰ اور ذلیل رعایا میں سے پیدا ہو کر نبوت کے منصب پر قائم ہوئے اور اپنے بھائی سمیت اس جبّار بادشاہ کے پُرہیبت دربار میں

آئے اور فرعون کو کہا کہ دیکھ سچی راہ اختیار کر خدا کے احکام پر چل اور بنی اسرائیل کو ارضِ مقدّس میں جانے دے۔ تیرا بھلا ہوگا۔ ورنہ خدا کا قہر سر پر کھڑا ہے۔ تو اس دُنیا میں بھی ذلیل اور رسوا ہوگا۔ پھر آپ ہی بتا دیں۔ کہ کہ فرعون کا کیا حال ہُوا۔ کیا اس کی حکومت برقرار رہی؟ یا کیا اس کی عزت و عظمت کچھ کام آئی؟ تو کیوں نہ ہم یقین رکھیں۔ کہ قیامت کے دن بھی موسیٰؑ کی پیشگوئی فرعون کے بارے میں پوری ہوگی۔ اور مرنے کے بعد بھی وہ اپنے اعمال کی سزا بھگتے گا۔ اسی طرح عرب کے ظالم وحشیوں کے پاس ایک شریف دل آیا اور کہا کہ تم یہ بداخلاقیاں چھوڑ دو اور یہ بدعملیاں ترک کر دو۔ اور میں خدا کی طرف سے آیا ہوں۔ مجھے قبول کرو۔ خدا کا منشاء تم کو بڑا بنانے کا ہے۔ تم ذلیل ہو معزز ہو جاؤ گے۔ جاہل ہو۔ عالم بن جاؤ گے ورنہ دیکھو تم باوجود اتنی بڑی قوم ہونے کے تباہ و ہلاک ہو کر اس دُنیا سے کوچ کر جاؤ گے۔ اور میں باوجود کمزور اور اکیلا ہونے کے تم پر غالب آجاؤں گا۔ پھر یہ سلسلہ یہاں پر ہی منقطع نہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی تم میری مخالفت کا مزہ چکھو گے۔ کیا دُنیا نے اس پاک انسان کی باتوں کو پورا اترتے نہیں دیکھا؟ کیا وہ کامیاب نہیں ہُوا؟ کیا اس کے مخالفین اس کی آنکھوں کے سامنے ہلاک نہیں ہوئے؟ کیا اس کی پیشگوئی درست نہیں نکلی؟ جب کہ آپ لوگ میرے ان سوالوں کا جواب اثبات میں دینے

کے لئے تیار ہیں تو کیا وجہ کہ اس کی آخری پیشگوئی کو سچا نہ سمجھا جاوے غرض اس آیت میں خدا تعالےٰ نے قیامت کا بڑا بھاری ثبوت یہ دیا ہے۔ کہ گذشتہ زمانہ پر نظر ڈالو ہر قوم اور ہر ملک میں انبیاء آئے اور متفق اللسان ہو کر دعویٰ کرتے تھے۔ کہ قیامت کا دن آنیوالا ہے اس میں ہمارے مخالف ذلیل و رسوا ہوں گے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس دنیا میں ہمارے مخالف باوجود ظاہری سامانوں کے اور بیشمار مادی اسباب کے پھر محض آسمانی نصرت سے ہمارے مقابل میں ہلاک ہو جاویں گے۔ اور یہ دلیل ہوگی۔ اس بات کی کہ وہ قیامت کے دن بھی جہاں کہ ان کے پاس سامان کا نشان تک نہ ہوگا۔ ہماری مخالفت کا پھل پائیں گے۔

دلیل چہارم اس کے بعد میں ناظرین کو قرآن شریف کی ایک اور آیت کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۔ (پارہ ۱۸ ع ۶) یعنی کیا تم لوگوں نے گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تم کو بغیر کسی غرض و غایت کے پیدا کیا ہے۔ اور یہ کہ تم مرنے کے بعد زندہ نہیں کئے جاؤ گے ایسا خیال مت کرنا کیونکہ حق و حکمت والی قدوس ذات کے یہ بات شایاں نہیں کہ وہ ایسا کام کریگا

اس چوتھی دلیل کو اللہ تعالیٰ اس طرح بیان فرماتا ہے۔ کہ نظام عالم پر اگر غور سے نظر ڈالی جاوے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں جس قدر سامان اور اسباب مہیا کئے گئے ہیں وہ سب انسان کی بقا کے لئے ہیں۔ آسمان اور زمین دریا اور پہاڑ حیوانات اور نباتات۔ غرض جو کچھ اس دنیا و مافیہا میں پیدا کیا گیا ہے۔ وہ سب اس لئے ہے تاکہ انسان ان سے منتفع ہو کر دنیا میں اپنی ہستی قائم رکھ سکے اب جب کہ یہ بات معلوم ہو گئی۔ کہ تمام اشیائ انسان کے لئے ہیں۔ اور ان کے وجود کی غرض یہ ہے کہ انسان یہاں زندگی بسر کر سکے۔ تو سوچنا چاہیئے کہ انسان کے پیدا کرنے کی بھی کوئی غرض و غایت مدنظر ہوگی۔ ہمیں اپنے قیاس دوڑانے کی ضرورت نہیں خود خدا تعالےٰ بیان فرماتا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ یعنی بنی نوع انسان کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تاکہ وہ خدائے تعالیٰ کی رضا میں محو ہو ہو کر اپنے تمام قویٰ کو ہمیشہ کے لئے اس کی فرمانبرداری میں لگا دیں۔ لیکن برخلاف اس کے فرض کیا جاوے۔ کہ انسان صرف یہی چند روزہ زندگی بسر کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور مرنے کے بعد اسے دائمی زندگی نہیں ملے گی تو یہ خدا تعالیٰ کی ذات پاک پر ایک اعتراض پڑتا ہے کہ ادھر تو خدائے تعالےٰ نے انسان کو پیدا کر کے اس کے قیام کے لئے کروڑوں اربوں سامان پیدا کئے ہیں۔ اور پھر بقا کا یہ حال کہ چند روز زندہ رہ کر

ہمیشہ کے لئے فنا ہو جاتا ہے غرض خدائے تعالےٰ اس آیت میں ہمیں توجہ دلاتا ہے۔ کہ اگر انسان اس پنج روزہ زندگی کے بعد پھر زندہ نہیں کیا جاویگا تو انسان کی پیدائش عبث ٹھہرتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا فعل لغو ٹھہرتا ہے۔ حالانکہ خدائے تعالیٰ کے افعال سے اور انسان کی ربوبیت عظیمہ سے اور ان سامانوں سے پتہ چلتا ہے کہ انسان ایک ایسی ہستی ہے۔ جس کا پیدا کرنا اور ہمیشہ کے لئے باقی رکھنا مقصود ہے۔ ورنہ پھر اس قدر سامانوں اور اسباب کا فائدہ کیا تھا۔ ان اسباب کا ہونا اور تمام مخلوقات کا انسان کی خدمت میں لگا رہنا اور زمین و آسمان و ما فیہا کا صرف انسان کے لئے ہونا دلالت کرتا ہے۔ کہ انسان ضرور ہمیشہ کے لئے باقی رکھا جاویگا۔ اور انسانی ہستی ایک ابدی بقا کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ غرض اس آیت میں خدا تعالےٰ اپنی پاک صفات کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ میں کوئی لغو کام نہیں کرتا۔ یا ایک وقتی تفریحی کھیل میرا کام نہیں۔ بلکہ میرا ہر ایک کام ایک حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ اسی طرح میں نے انسانی نسل کا پودا زمین میں لگایا ہے۔ اور ہزاروں سامان اس کی حفاظت کے لئے مہیا کئے ہیں۔ صرف اسی لئے کہ وہ میری مرضی کے مطابق ابدی عبودیت میں داخل ہو جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص نادانی سے یہ خیال کرے کہ اس جہاں سے گذر جانے کے بعد پھر انسان زندہ نہیں کیا جاوے گا۔ اور قیامت نہیں آئے گی۔ تو ایسا شخص انسان پر نہیں بلکہ

میری ذات پر حملہ کرتا ہے۔ گویا کہ اسکے نزدیک میں نے انسان کو صرف عبث طور پر پیدا کیا۔ کہ چند روز زندہ رکھکر پھر اسے اسی طرح معدوم کر دیا جاوے اور ایک وقتی ڈراما دکھا کر ڈراپ سین کر دیا جاوے۔

دلیل پنجم پانچویں دلیل دو قضیوں پر مشتمل ہے۔ جنہیں ذیل میں درج کر کے ایک نتیجہ ناظرین کے سامنے پیش کرونگا۔ جو فی نفسہٖ قیامت کے وجود پر ایک برہان اور اس کے اثبات کیلئے ایک کافی شہادت ہوگا۔

قضیہ اوّل:۔ یہ بات تمام مذاہب عالم کے نزدیک مسلم ہے۔ کہ خدائے تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اور کسی شخص کے حقوق کا پائمال کرنا اس کی صفات قدسیہ اور اسمائے حسنہ کے منافی ہے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ کوئی اُسکی راہ میں کوشش کرے سعی بجا لاوے اور اس کے احکام کے ماتحت گردن تسلیم خم کرے۔ مگر خدا تعالیٰ اس کی کوششوں اور محنتوں کو رائیگان جانے دے۔ کیونکہ کسی کی جد و جہد عمدہ نتائج مرتب نہ کرنا اور سعی کو بے اجر چھوڑ دینا ظلم کے مترادف ہے اس کا نام رحیم ہے۔ وہ سچی محنتوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا وہ کریم ہے۔ اس کے کرم کی کوئی حد نہیں۔ قرآن کریم اس کے منہ کا کلام اس مضمون کو اس طرح بیان فرماتا ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ وَاِنْ تَکُ حَسَنَۃً

يُضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا (پارہ ۵)

یعنی خدائے تعالےٰ کا اپنے بندوں سے یہ دستور ہے کہ وہ ایک ذرہ کے برابر بھی کسی کا حق اپنے ذمہ نہیں رکھتا اور رائی کے برابر ظلم بھی اس کی قدوسیّت کے خلاف ہے بلکہ وہ تو ایسا شفیق مہربان رب ہے کہ اگر بندہ ذرا سا نیک کام بھی کرے وہ اس کو اس قدر اجر سے متمتع کرتا ہے۔ کہ بندہ کی نیکی اس کے آگے ہیچ ہے اور بندہ کا کام اس کے سامنے لاشئ محض۔ وہ بندہ کو اس کے حق سے بڑھ کر دیتا ہے۔ ایک جگہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ کہ اگر بندہ ایک نیکی کرے تو خدائے تعالےٰ کم سے کم دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ثواب عطا کرتا ہے۔ اور خصوصیّت سے دینے لگے تو کوئی حساب ہی نہیں علاوہ ازیں انسانی ضمیر اور فطرت سلیمہ اسبات کے ماننے پر مجبور ہے کہ وہ قادر ہستی جس نے محض اپنی ربوبیّت سے انسان کو عدم سے وجود بخشا ہے۔ کبھی بھی ظلم اور حق تلفی اس کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی۔ اور حقوق کی پائمالی کو اس کی ذات اقدس سے کوئی نسبت نہیں، غرض عقل اور نقل دونوں اسبات پر متفق ہیں کہ جو انسان اعمال صالحہ بجالاتا ہے خدا تعالےٰ اسے بیش از بیش اجر اور ثواب عطا فرماتا ہے، یہ بات تو نیکی کے متعلق تھی بدی اور بدعملی کے متعلق بھی تمام مذاہب کا اتفاق ہے۔ کہ کوئی انسان بدی کر کے نیک انجام کا امیدوار نہیں ہو سکتا

ہے۔ جو ایک فرمانبردار کیلئے مقدر ہے۔ بلکہ خلاف ورزی اور قانون شکنی کی سزا ضرور مل کر رہے گی۔ کیونکہ جیسا کہ وہ قدوس غفور رّحیم ہے۔ اسی طرح شدید العقاب اور ذو انتقام بھی اسی کی صفات ہیں۔ قرآن کریم اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتا ہے:۔

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى (پارہ ۲۹ ع ۱۴)

یعنی انسان کی یہ بڑی غلطی ہے۔ کہ وہ یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ میں بد اور بدعملیوں میں بیشک ترقی کرتا جاؤں مجھ سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ غرض قرآن مجید کی رو سے نیکی اور بدی دونوں کا بدلہ ملنے والا ہے۔ اور حسنات اور سیّئات دونوں نتیجہ خیز کام ہیں۔

قضیہ دوم:۔ ہمارا مشاہدہ شاہد ہے کہ اس دنیا میں انسانوں کے اعمال کی جزاء اور سزا پورے طور پر کبھی نہیں ملتی۔ ایک شخص ساری عمر نیکی اور طہارت میں زندگی بسر کرتا ہے۔ اور خدا کے احکام بجالانے میں وہ ہمہ تن سعی بنا ہوا ہے۔ مگر دنیوی مشکلات اور مصائب میں اسی طرح گرفتار ہے جس طرح ایک معمولی دُنیا دار اور خود قرآن شریف فرماتا ہے تلك الايام نداولها بين الناس یعنی موت اور فوت بیماری اور صحت۔ خوشحالی اور تنگحالی عسر اور یسر جس طرح خدا سے ایک غافل انسان کو لاحق ہوتی ہیں اسی طرح ایک نیک آدمی کو بھی ان سے پالا پڑتا ہے۔ نیک آدمی بیشک

ہزاروں نیک کام کرتا ہے۔ مگر ان کا پورا پورا اثر اس کو دنیا میں نہیں ملتا۔ جیسا کہ قرآن حکیم بیان فرماتا ہے وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (پارہ ۴ ع ۱) انّما حصر کا کلمہ ہے۔ یعنی اس دُنیا میں نیک کاموں کا اجر پورا پورا کبھی نہیں ملتا۔ اسی طرح بدی کی سزا بھی اس جہان میں پوری طرح نہیں ملتی۔ ایک کافر نبیوں کا دشمن خدا کا منکر بدعمل بھی اپنی اسباب اور سامانوں سے متمتع ہے۔ جو مومنوں کے استعمال میں آتے ہیں۔ ہزاروں بے ایمان خدا سے غافل دُنیا کے لحاظ سے بڑے عروج پر قدم جمائے کھڑے ہیں۔ دنیوی وجاہت انہیں حاصل ہے۔ مال و دولت اُن کے ہاتھ میں ہے۔ سلطنتیں ان کے قابو میں ہیں قرآن میں بیسیوں جگہ اس بات کا ذکر ہے کہ کفار کیلئے دُنیا میں متاع اور فائدہ مقدر ہے۔ حضرت ابراہیم نے دُعا کی کہ الٰہی مکّہ کے مومنوں کو اعلیٰ رزق دے۔ خُدا نے جواب دیا۔ دنیوی رزق تو میں مومنوں اور کافروں دونوں کو دونگا۔ مومنوں کی کوئی تخصیص نہیں۔ ایک جگہ فرمایا کہ اگر ابتلا کا خیال نہ ہوتا۔ تو کفار کو اس قدر مال و دولت عطا ہوتا کہ وہ سونے چاندی کے مکانات بنواتے۔ اگر اس دُنیا میں جزا اور سزا ملا کرتی۔ تو کبھی مومن تنگدست اور کافر راحت سے نہ رہتے۔ مگر یہاں تو برخلاف اس کے کافر مومنوں سے بڑھ کر آرام میں ہیں۔ کیونکہ وہ جائز اور ناجائز دونوں طریقوں سے آرام و آسائش مہیّا کرنے میں تامل و دریغ نہیں کرتے۔

(نتیجہ)

ان دونوں قضیوں کو منطقی ترتیب دینے سے ہر عقلمند ایک صریح اور بیّن نتیجہ پر پہنچ جاویگا کہ قیامت ضرور آنیوالی ہے۔ اور مرنے کے بعد حیات ثانیہ ضرور ہونیوالی ہے۔ کیونکہ جب ہر نیکی کا ثواب اور ہر بدی کا بدلہ ملنے والا ہے۔ اور ادھر اس دنیا میں نہیں ملتا۔ تو ضرور ایک دن دنیا سے گذرنے کے بعد ایسا آنا چاہیئے۔ جس میں نیک اپنی نیکی کا اور بد اپنی بدی کا نتیجہ بھگتے۔ پہلا قضیہ تو یہ ثابت کرتا ہے کہ نیکی ضائع نہیں ہوگی اور بدی کا بدلہ بھگتنا ہوگا۔ دوسرا قضیہ کہتا ہے کہ اس دنیا میں نہ نیکی کا بدلہ کامل طور پر ملتا ہے نہ بدی کا۔ تو ایک سلیم العقل انسان مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ مرنے کے بعد ایک دن ایسا تجویز کرے۔ جس میں نیکی کا اجر کامل طور پر اور بدی کی سزا بھی پوری طرح انسان کو دی جاوے کیونکہ یہ بات اس موجودہ دنیا میں حاصل نہیں۔ اسی لئے قرآن حکیم نے فرمایا:۔ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ یعنی چونکہ نیکی بدی ضائع نہیں ہوتی۔ اور دنیا میں ان کا بدلہ پورے طور پر نہیں ملتا اس لئے مرنے کے بعد لوگ زندہ کئے جاویں گے۔ اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق اس سے اس سے سلوک کیا جاوے گا۔

دلیل ششم: اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ اور اس کی رحمانیت پر جب

انسان غور کرے تو ایک حیرت کے دریا میں ڈوب جاتا ہے۔ کہ کس قدر احسان اور انعام اس نے ہم پر کئے ہیں اور کیسی کیسی مہربانیاں اس کی ذات بابرکات سے ہم پر ہوئیں ہیں ہم کیا ہمارا وہمہ بھی اس کی حد بست عاجز ہے۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ ہماری کوئی ایسی خواہش نہیں جو اُس نے پوری نہ کی ہو۔ کوئی تقاضا نہیں جسمیں ہم خائب و خاسر رہے ہوں۔ ہماری ہر فطری خواہش کو اس نے پورا کیا۔ ہر طبعی تقاضے کو اس نے شرف قبولیّت بخشا۔ یہ بات قاعدہ کلیہ کے رنگ میں ہے۔ انسان نظر دوڑا کر دیکھ لے۔ کہ خدا تعالیٰ نے اس کی ہر خواہش کو بشرطیکہ وہ طبعی یا فطری ہو۔ ضرور پورا کیا ہو گا۔ جیساکہ وہ خود فرماتا ہے۔ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ۔ یعنی ہر خواہش جو تم نے مجھ سے کی اور ہر درخواست جو تم نے میرے حضور گذرانی میری درگاہ سے جامۂ قبولیت ہی پہن کر گئی۔ غرض اس قرآنی آیت میں بارگاہ ربوبیت سے ایک عظیم الشان خوشخبری دی گئی ہے کہ انسان کی ہر فطری خواہش اور ہر طبعی تقاضا کے پورا ہونے کے سامان میں نے مہیّا کئے ہیں۔ اس قرآنی آیت کو ہم معیار ٹھہرا کر اپنی فطرت کو ٹٹولتے ہیں۔ تو منجملہ اور خواہشات کے ایک بڑی بھاری خواہش ہماری فطرت میں یہ ہے۔ کہ یہ جو مذہب میں اختلاف پڑا ہوا ہے۔ اور سینکڑوں جھوٹے مذہب

روئے زمین پر موجود ہیں۔ کسی طرح ایسا فیصلہ ہو جاوے کہ سچے مذہب کی صداقت روز روشن کی طرح کھل جائے اور جھوٹے مذاہب کا بطلان اظہر من الشمس ہو جاوے۔ یہ خواہش ہر فرد بشر کے دل میں ہے جس طرح ایک مسلمان چاہتا ہے کہ اسلام کی صداقت تمام دنیا پر ظاہر ہو جاوے۔ اور کوئی شخص بھی کسی غیر مذہب پر نہ رہے اسی طرح ایک عیسائی کی فطرت بھی تقاضا کرتی ہے۔ کہ یسوع مسیح کی خدائی ساری خدائی مان لے اور تمام دنیا کے نزدیک یہ امر فیصل شدہ سمجھا جاوے۔ کہ نصرانیّت ہی صرف صداقت پر مبنی ہے۔ غرض مومن و کافر صادق و کاذب سب کی یہ فطرتی خواہش ہے۔ کہ ہمارے مذہب ہمارے طریقہ کی سچائی تمام دنیا مان لے۔ اور ایسا فیصلہ ہو کہ کوئی شخص اس سے بے خبر نہ رہے۔ یہ بات ہم اپنی طرف سے نہیں کہتے۔ بلکہ قرآن حکیم سے بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ مومن کی قلبی کیفیّت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ یعنی مومن مسلمانوں کی یہ فطرتی خواہش ہے۔ کہ خدائے تعالےٰ ان کے اور ان کے مخالفوں کے درمیان ایسا فیصلہ فرما دے کہ حق اور باطل میں تمیز ہو جاوے۔ اور تمام دنیا پر آشکارا ہو جاوے کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں ایک کافر کی فطرت

کے تقاضا کا بھی ذکر ہے۔ وَاِذْ قَالُوا اللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ
الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (پارہ ۹ ع ۱۸) یعنی مکہ کے کفار نے اسلام کو اپنے پرانے
مذہب کے خلاف بڑھتے اور ترقی کرتے دیکھا۔ تو وہ دبدہ میں پڑ گئے۔ ادھر
بچپن سے اپنے مذہب کی صداقت پر یقین ادھر اسلام کی سچائی پر روزمرہ
کے اعجازی نشان دیکھکر ان کی فطرت تڑپ اُٹھی اور کسی طرح ہم میں اور
مسلمانوں میں ایک ایسا فیصلہ ہو جاوے کہ سچائی پر ذرا بھی خفا کا پردہ
نہ رہے اور تمام دنیا ایک مذہب پر ہو جاوے۔ اس خواہش میں انہوں
نے اپنی ہلاکت تک کی پرواہ نہ کی اور دُعا کی کہ اگر یہ مذہب سچا ہے تو ہمیں
ہلاک کر کے ہماری ہلاکت کو لوگوں کے لئے ایک فیصلہ کن معیار بنا کر لوگوں کو
شک و شبہ سے نکالکر یقین کی راہ تک پہنچاوے۔ غرض مومن ہو۔ یا
کافر دیندار ہو یا بے دین۔ ہر شخص کے دل میں خواہش ہے۔ کہ ایسا صاف
فیصلہ ہو جاوے کہ پھر کسی کو اختلاف کی ذرا بھی گنجائش باقی نہ رہے۔
اب جبکہ خدا کا ہم سے وعدہ ہے۔ کہ وہ ہماری ہر فطرتی خواہش کو
پورا کرے گا۔ تو ہمیں امید کرنی چاہیئے۔ کہ ضرور وہ خود ایسا فیصلہ کریگا
کہ پھر کوئی ایک فرد بشر بھی سچائی کا منکر باقی نہ رہے۔ مگر جب ہم دنیا کے
موجودہ حالات پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو ہمیں ایک قسم کی مایوسی ہوتی ہے۔ کہ

اس دنیا میں تو کوئی ایسا فیصلہ نہیں ہُوا۔ ہزاروں جھوٹے مذہب روئے زمین
پر موجود ہیں۔ اور کروڑوں آدمی ایسے پائے جاتے ہیں جو باطل مذہب
کو سچا اور سچے اسلام کو جھوٹا خیال کئے ہوئے ہیں۔ معبودان باطلہ کی
تائید میں اربوں روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ لاکھوں بندگانِ خدا کو
شرک و کفر کے ورطہ میں دھکیل دیا گیا ہے۔ اور اسلام سے متنفر کیا گیا ہے
اگر دُنیا ہی دار الفیصلہ ہے۔ تو کیا یہی فیصلہ کا طریق ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ
اسلام نے اپنی سچائی کے دلائل بے شمار دئے ہیں۔ اور براہین قاطعہ
و ساطعہ سے اپنی سچائی منوائی ہے۔ اور ہزاروں لاکھوں ثبوت اس کے
سچا ہونے پر موجود ہیں اگر سلیم العقل شخص غور کرے تو وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا
فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا کے مطابق وہ ضرور راہ حق پا لے گا۔ مگر
باوجود ان دلائل کے ایسا فیصلہ نہیں کیا گیا۔ کہ کوئی شخص بھی اس کی سچائی
کا منکر نہ رہے اور تمام لوگوں کے دلوں سے شک و شبہ دور ہو کر صرف
اسلام کی صداقت کا یقین ہو جاوے۔ دلائل ہیں۔ مگر مشاہدہ نہیں۔
پھر سب کو دلائل کی اطلاع بھی کہاں ہے۔ لاکھوں کو یہ بھی خبر نہیں۔
کہ اسلام بھی کوئی مذہب دنیا میں ہے۔ فیصلہ تو اس طرح ہو سکتا ہے۔
کہ خدا تعالےٰ تمام لوگوں کو ایک مقام پر جمع کر کے اپنے منہ سے فرما دے
کہ اسلام سچا مذہب ہے۔ اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور مذہب

کو اختیار کرے وہ فوراً مر جاوے گا۔ پھر یہ بات پوری بھی ہو جاوے اور جو شخص ہندو یا عیسائی ہو وہ فوراً ہلاک ہو جایا کرے۔ اور اسلام لاتے ہی عیش و تنعم حاصل ہو جاوے۔ تو میرے خیال میں یہ ایک کافی فیصلہ ہے۔ اس کے بعد کسی شخص کو جرأت نہیں ہو سکتی کہ وہ کسی اور مذہب کا پیرو ہو یا اسی طرح اگر دوزخ بہشت کے نظارے کفار کی آنکھوں کے سامنے کئے جاویں۔ اور وہ دیکھ لیں۔ کہ کس مذہب کے لوگ بہشت میں اور کس ملت کے افراد دوزخ میں داخل ہوں گے۔ تو یہ بھی فیصلہ کی ایک راہ ہے۔ پھر کبھی کوئی شخص اس نظارہ کو دیکھکر دوزخی ملت کا پیرو بننے کی کوشش نہیں کرے گا۔ مگر یہ فیصلہ اس دنیا میں نہیں خدا کا ہمکلام ہونا عام نہیں دوزخ اور بہشت کے نظارے لوگوں نے مشاہدہ نہیں کئے۔ ایک پردۂ خفا پڑا ہؤا ہے۔ اس لئے اس دنیا میں ہماری وہ فطرتی خواہش کہ حقیقی فیصلہ ہو جائے کبھی پوری نہیں ہوئی اور نہ ہوگی اس لئے ہمیں ماننا پڑے گا۔ کہ مرنے کے بعد ایک دن ایسا ضرور آنا چاہیئے۔ جس دن خدا تعالےٰ تمام مذاہب پر فیصلہ فرما دے۔ اور منہ سے بیان فرما دے۔ کہ فلاں مذہب سچا ہے۔ اور باقی سچائی سے خالی ہیں۔ پھر اس طرح ہماری فطرتی خواہش پوری ہو جاوے اور ہر فرد بشر کو معلوم ہو جاوے۔ کہ عدالت عالیہ نے مذاہب کے متعلق

متعلق کیا فیصلہ فرمایا ہے۔ اس مضمون کو اللہ تعالےٰ سورہ حج میں اس طرح بیان فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالصّٰبِئِیْنَ وَالنَّصٰرٰی وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا اِنَّ اللّٰہَ یَفْصِلُ بَیْنَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ ۔ ١٧/٩

یعنی اس وقت جس قدر مذاہب روئے زمین پر موجود ہیں۔ سب کا حقیقی فیصلہ اس دنیا میں نہیں ہوگا۔ اور چونکہ ہر شخص کے دل میں ایسے فیصلہ کی خواہش ہے۔ اس لئے ہم اس فطرتی خواہش کو پورا کرنے کے لئے مرنے کے بعد ایک دن سب کو زندہ کر کے وہ فیصلہ صادر فرمادینگے اس دن کا نام قیامت ہے۔ اس سے پہلے میں نے مختصر طور پر ان دلائل کا ذکر کیا ہے۔ جو قیامت کے وجود پر قرآن مجید نے دی ہیں۔ اور ان بیشمار دلیلوں میں سے جو قرآن شریف میں پائی جاتی ہیں۔ نمونہ کے طور پر چھ دلیلیں تحریر کی تھیں اب منکرین قیامت کے اعتراضوں کے جواب میں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کوئی الہامی کتاب کسی مسئلہ کے متعلق اپنی طرف سے کتنی ہی بحث کرے۔ اور کس قدر ہی دلائل کیوں نہ دے لیکن اگر مخالفین کے اعتراضات کا جواب نہ دے۔ جو اس مسئلہ پر کئے جاتے ہیں۔ تب تک اس کتاب کا بیان ناقص ہے۔ اور کسی صورت سے بھی ہم اسے مرتبۂ کمال تک پہنچی ہوئی نہیں کہہ سکتے۔ اور نہ ہی

معترضین پر حجت پوری ہوسکتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ کامل کتاب دونوں پہلوؤں پر حاوی ہو۔ یعنی آپ دلائل بھی دے اور مخالفین کے شکوک و شبہات کو بھی رفع کرے۔ اس لئے ہم قرآن مجید سے نمونہ کے طور پر وہ جوابات درج کرتے ہیں۔ جو مخالفین کے ان اعتراضوں کے دئے گئے ہیں۔ جو انہوں نے قیامت کے متعلق کئے تھے۔ تاکہ ناظرین کو قرآن مجید کے کمال اور اس کی صداقت کا یقین ہو جائے۔

اعتراض اوّل: وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ (پارہ ۲۳ ع ۴)

پہلا اعتراض کفار کی طرف سے یہ کیا جاتا تھا۔ کہ مردوں کا زندہ کرنا ایک عظیم الشان کام ہے اور ہمیں تو ایسی ہستی کوئی نظر نہیں آتی جو ایسا اہم کام سرانجام دے سکے۔ انسان تمام حیوانوں سے زیادہ فہیم اور عقلمند ہے۔ مگر وہ اس کام سے عاجز ہے۔ اور اس کے اختیار سے بھی باہر ہے۔ اس لئے کفار حیران ہو کر پہلا سوال یہ کرتے تھے کہ اگر مردے زندہ بھی ہوں گے۔ تو کرے گا کون؟ اس کا جواب خدائے تعالیٰ اسی آیت میں آگے چلکر فرماتا ہے۔ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ۝ (پارہ ۲۳ رکوع ۴)

یعنی اگر تمہیں مُردوں کو زندہ کرنیوالی ہستی نظر نہیں آتی۔ اس لئے تم مُردوں

کے زندہ ہونے کا انکار کرتے ہو تو بتاؤ کہ اب تم ایک پیدا شدہ مخلوق ہو یا نہیں۔ پھر تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ تم کو کسی انسان نے نہیں بنایا۔ تو کیا اس لئے کہ اپنے خالق کو نہیں جانتے۔ تم اپنے پیدا کرنیوالے کا انکار کر دو گے یا اس بات کے منکر ہو جاؤ گے۔ کہ تم بھی پیدا ہوئے تھے؟ لیکن تم اس بات کے منکر نہیں۔ اور تم مانتے ہو کہ تم ایک پیدا شدہ مخلوق ہو۔ اور تمہیں کسی نے پیدا کیا ہے۔ پس ہماری طرف سے بھی یہی جواب ہے۔ کہ تم کو زندہ بھی وہی کرے گا۔ جس نے تم کو پیدا کیا۔ اگر تم ہم سے اس زندہ کرنیوالے کا نام پوچھتے ہو تو ہم تم سے تمہارے پیدا کرنیوالے کا نام پوچھتے ہیں۔ جو نام تم اپنے خالق کا بتاؤ گے۔ وہی ہماری طرف سے زندہ کرنیوالے کا نام پیش کیا جاوے گا۔ اور اگر تمہارا یہ دعوے ہو کہ ہمیں کسی نے پیدا نہیں کیا۔ ہم خود بخود موجود ہو گئے ہیں۔ تو ہماری طرف سے بھی وہی جواب ہے۔ کہ تم خود بخود زندہ ہو جاؤ گے۔ اگر یہ کہو کہ خود بخود زندہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ تو ہم بھی وہی کہیں گے۔ کہ اگر خود بخود زندہ ہونا ممتنع ہے۔ تو خود بخود پیدا ہونا کیوں نہ ممتنع سمجھا جاوے؟ غرض اس سوال کا جواب کہ مرنے کے بعد ہمیں کون زندہ کرے گا نہایت ہی اعلیٰ یہی ہے۔ کہ وہی جس نے پہلی مرتبہ تم کو پیدا کیا تھا۔

اعتراض دوم: ۔وَّھِيَ رَمِيْمٌ ٥ دوسرا اعتراض قیامت کے وجود پر یہ کیا جاتا ہے۔ کہ جب ہمارے جسم گل سڑ جائیں گے۔ اور ہماری ہڈیوں کا چورا ہو جائے گا۔ اور ہمارے اجسام کے ذرّات پراگندہ ہو جائیں گے۔ اور یہ نظامِ بدن موجودہ شکل میں نہ رہے گا۔ تو کس طرح ایک مدت کے بعد پھر ذرّات جمع ہو کر ایک جسم بنکر قیامت کے میدان میں چلے پھرے گا۔ اس اعتراض کے کئی جواب اللہ نے دئیے ہیں جن میں سے دو۲ جواب ہدیۂ ناظرین ہیں ۔ پہلا جواب یہ ہے کہ :۔

اَوَلَيْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ (پارہ ۲۳ ع ۴)

اس آیت میں استدلال بالاولیٰ کے ذریعہ جواب دیا ہے۔ فرماتا ہے کہ ایک کام آسان ہوتا ہے۔ دوسرا اشکل۔ تو جو شخص مشکل سے مشکل کام سنوار سکتا ہے۔ اس کے لئے آسان کام کرنا کوئی مشکل نہیں اب تم انسانی خلقت کے حجم اور اندازہ اور قوٰی وغیرہ کا خیال کرو۔ اور دوسری طرف آسمان زمین چاند ستاروں کے نظام پہ غور کرو۔ اور جو قوتیں اور خاصیتیں ان اجسام میں رکھی گئی ہیں اور جو بے نظیر کاری گری ان کُرّہ جات میں دکھائی گئی ہیں۔ وہ انسانی بناوٹ میں نہیں تو جب وہ اعلےٰ سے اعلےٰ نظام ایک ہستی نے پیدا کر دئیے

اور ہمیشہ ان میں ایک باقاعدہ کام کرنے کا سلسلہ رکھدیا اور ایسی ایسی عظیم الشان صنعتیں اس نظامِ عالم میں کیں تو کیا وہ ہستی اس بات پر قادر نہیں کہ وہ انسان کے متفرق شدہ اجزاء کو پھر ایک جگہ جمع کردے۔

دوسرا جواب یہ فرماتا ہے۔ بَلٰی وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ۔ اس جواب کی تفصیل اس طرح پہ ہے کہ اگر کوئی کام کسی شخص سے اتفاقیہ ہو جاوے تو پھر وہی کام دوبارہ کرنا اس کے لئے مشکل ہوتا ہے جس طرح کہ کسی شخص کو بندوق کا نشانہ لگانا نہیں آتا۔ لیکن جنگل میں اتفاقیہ اس کی بندوق کی گولی چلکر ایک شیر کو لگ گئی اور وہ شیر مر گیا۔ یہ بات ممکن ہے لیکن دوسری دفعہ وہ شست بھی باندھے گا۔ لیکن اس کی گولی نشانہ پہ نہیں لگے گی۔ کیونکہ پہلی دفعہ اس کا نشانہ اس کی علم اور اس کی واقفیت کی وجہ سے نہیں لگا تھا۔ بلکہ اتفاقیہ چانس تھا۔ جس نے نشانہ لگانے کی مشق کی ہوئی ہو۔ اور وہ اس علم میں کامل ہو۔ تو جب وہ پہلی دفعہ بندوق چھوڑے گا۔ تب بھی نشانہ پہ گولی لگے گی۔ اور جب وہ دوسری دفعہ سر کرے گا۔ تب بھی نشانہ ٹھیک بیٹھے گا۔ کیونکہ اس نے وہ کام علم کی بنا پہ اور اس کے ذریعہ کیا تھا۔ اسی طرح خدائے تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ ہم بھی لوگوں کو مرنے کے

بعد زندہ کریں گے۔ کیونکہ ہم خلّاق علیم ہیں۔ یعنی پہلی دفعہ جو ہم نے تم کو پیدا کیا تھا۔ تو ہم اتفاقیہ خلّاق نہ تھے۔ بلکہ خلّاق علیم تھے۔ یعنی اپنے علم کی رو سے ہم نے یہ خلقت پیدا کی تھی۔ سو جس طرح ایک کاریگر کمہار ایک دفعہ برتن بنا کر پھر دوبارہ سہ بارہ بھی برتن بنا سکتا ہے۔ اسی طرح ہم بھی ایک دفعہ پیدا کر کے دوسری دفعہ پھر پیدا کر سکتے ہیں آگے چلکر فرماتا ہے۔ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ۔ یعنی اللہ تعالےٰ تمام نقصوں اور کمزوریوں سے پاک ہے۔ اور ہر ایک عیب اور منقصہ سے وہ منزہ ہے۔ اگر یہ فرض کر لیا جاوے۔ کہ وہ ایک دفعہ تو پیدا کر سکتا ہے لیکن دوسری دفعہ پیدا کرنا اس کے لئے محال ہے۔ تو یہ ایک نقص ہے جو اللہ تعالےٰ کی ذات میں ہمیں ماننا پڑے گا۔ اور چونکہ وہ پاک ہے اور ہر عیب و نقص سے منزّہ ہے۔ اس لئے اس نقص سے بھی وہ پاک ہے۔

پھر ایک مقام پر کافروں کا اعتراض نقل کرتا ہُوا فرماتا ہے۔ أَاِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ۔ اس آیت میں خدائے تعالےٰ نے کفار کے تین اعتراض نقل کئے ہیں۔ میں نمبروار ہر ایک کا جواب قرآن شریف سے بیان کرتا ہوں۔

اعتراض سوم:۔ أَاِذَا مِتْنَا اس اعتراض کی تفصیل یہ ہے۔ کہ جب انسان مرجاتا ہے اور روح اس کے بدن سے مفارقت کر جاتی ہے۔ اور زندگی کے آثار مفقود ہو جاتے ہیں اور وہ خواص جو انسان میں ودیعت ہوتے ہیں۔ سب معدوم ہو جاتے ہیں۔ جیسے سُننا بولنا۔ سوچنا محسوس کرنا۔ چلنا۔ پھرنا وغیرہ وغیرہ سب قوئے زائل ہو جاتے ہیں۔ اور انسانی جسم محض لاشئی لاشہ رہ جاتا ہے۔ تو پھر کس طرح روح عود کرے گی۔ اور مردہ زندہ ہو جائے گا۔ اس اعتراض کے بہت سے جواب قرآن مجید نے دئے ہیں۔ جن میں سے ۲ دو درج ذیل ہیں:۔

جواب اوّل:۔ کُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ۔ یعنی پہلا جواب تو تمہیں یہ دیا جاتا ہے۔ کہ اپنے پچھلے حالات پر ایک نظر ڈالو اور یاد کرو۔ کہ تم ایک زمانہ میں میّت تھے۔ کوئی زندگی یا اس کے آثار تم میں نہ تھے۔ انسانی خواص و قویٰ کا تم میں نام و نشان بھی نہ تھا لیکن پھر تم کو اللہ تعالےٰ نے زندگی بخشی۔ اور کچھ قویٰ اور خواص عطا کئے۔ اور متاع حیات سے تم کو متمتع کیا۔ اور تم زندہ کہلانے کے مستحق ہوئے۔ اسی طرح جب ایک حیات بعد الممات کا تم تجربہ کر چکے

ہو۔ اور مردہ ہونے کے بعد زندہ ہونے کا مزہ چکھ چکے ہو۔ اور عدم کے بعد وجود کا مشاہدہ کر چکے ہو۔ تو پھر تمہیں قیامت اور بعث بعد الموت پر کیوں اعتراض اور شبہات اُٹھتے ہیں۔ تم جو کہتے ہو۔ کہ مُردہ ہونیکے بعد زندہ نہیں کئے جاؤ گے۔ تو بتاؤ تو سہی کہ تم اس زندگی سے پہلے مُردہ نہ تھے۔ پھر اس مُردہ ہونے کی حالت کے بعد تم اب زندہ نہیں ہو جب تم اس حقیقت سے منکر نہیں ہو تو بعث بعد الموت کو کیوں ناممکن خیال کرتے ہو۔

جواب دوم:۔ وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ۔ یعنی تمہارا جو اعتقاد ہے۔ کہ جب انسان کے قوی باطل ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے خواص زائل ہو جاتے ہیں پھر کس طرح وہ قوی اور خواص جسم انسانی میں عود کر آئیں گے تو کیا تم زمین کی حالت مشاہدہ نہیں کرتے کہ اس کے کیسے کیسے عجیب خواص اور قوی ہوتے ہیں کہ ذرا سا دانہ پڑ جاوے تھوڑے دنوں میں ایک لہلہاتا پودا ہماری آنکھوں کی تراوت پہنچانے کے لئے خزانہ غیب سے نمودار

ہو جاتا ہے۔ ایک ذرہ کے برابر بیج سے سینکڑوں فٹ لمبے چوڑے عظیم الشان آسمان سے باتیں کرنیوالے درخت اُگتے ہیں۔ جدھر دیکھو سبزہ جدھر نظر اٹھاؤ بہار ہے۔ لیکن موسم خزاں آتا ہے۔ یا بارش نہیں ہوتی۔ قحط پڑتا ہے۔ تو سب قوی اور خواص کالعدم ہو جاتے ہیں نہ سبزہ نہ اس کی تراوت۔ خشک بنجر زمین رہ جاتی ہے۔ ہر طرف گرد و غبار گرمی اور تپش ہی جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ زمین کی ساری قوتیں معدوم ہو جاتی ہیں۔ سب خاصیتیں باطل ہو جاتی ہیں۔ زمین مر جاتی ہے۔ اس کی زندگی جاتی رہتی ہے۔ لیکن خدا کی قدرت دیکھو۔ فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ جب ذرا پانی کا چھینٹا پڑ جاتا ہے زمین میں ایک حیرت انگیز تبدیلی واقع ہوتی ہے وہ سب مُردنی جاتی رہتی ہے۔ تمام ضائع شدہ قوتیں پھر آب و تاب سے جلوہ گر ہوتی ہیں۔ تمام زائل شدہ خاصیتیں پھر عود کر آتی ہیں۔ وہی زمین جو کل تک بنجر پڑی ہوئی تھی۔ آج سرسبز و شاداب نظر آتی ہے۔ اور وہی قطعہ جو کل مُردہ تھا آج زندہ ہو جاتا ہے۔ تھوڑے سے بیج بکھیر دو تھوڑے سے عرصہ میں چمن اور گلزار لگ جاتا اور جنگل میں منگل کا لطف آنے لگتا ہے۔ جب تم اس زمین کو دیکھتے ہو۔ کہ یہ مر کر زندہ ہو جاتی ہے۔ تو کیوں نہیں مانتے کہ وہ قادر جس نے

زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندگی بخشتی ہیں بھی مرنے کے بعد زندہ
کریگا۔ اور وہ ہستی جو زمین کی زائل شدہ قوتوں کو واپس لاتی ہے
ہمارے ضائع شدہ قویٰ کو دوبارہ ہم میں قائم کرے گی۔ اور وہ
ذات پاک جو زمین کے باطل شدہ خواص دوبارہ پیدا کرنے کی موجب
ہے۔ وہی ہمارے خواص دوبارہ ہمیں عطا کر سکتی ہے۔

اعتراض چہارم:۔ وکنا ترابًا چوتھا اعتراض کافر یہ کرتے تھے
کہ جب ہمارے اجسام کے گوشت پوست نہیں رہیں گے۔ اور خون
عروق وغیرہ کا نام ونشان نہیں رہے گا۔ بلکہ ہمارا یہ جسمانی نظام
لحمی شحمی حالت سے مٹی میں تبدیل ہو جاوے گا۔ اور ہم بالکل خاک
بن جاویں گے۔ پھر ہماری بعثت کس طرح ہوگی۔ اس کا جواب اس
طرح پر دیتا ہے۔ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُخْرَجُوْنَ ۝
یعنی ہو توفو! تم تعجب کرتے ہو۔ کہ ہم جب مٹی ہو جائیں گے۔ پھر مٹی
سے کس طرح مجسم ذی روح مخلوق بنیں گے۔ خیال تو کرو کہ اب جو
تم زندہ ہو اس سے پہلے کیا تھے۔ اس کے جواب میں وہی کہو گے
اور یہی تمہارا مسلمہ عقیدہ بھی ہے۔ کہ ہم مٹی تھے۔ پس پہلے جب
تم مٹی تھے۔ پھر زندہ ہو گئے۔ اسی طرح یقین کر لو۔ کہ اب مر کر مٹی
ہو کر تم پھر زندہ کئے جاؤ گے۔ جب ایک دفعہ مٹی سے بنے تھے

تو کیا دوبارہ مٹی سے بننا مستبعد ہے

پانچواں اعتراض:۔ وَكُنَّا عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ پانچواں اعتراض یہ
کیا جاتا تھا۔ کہ ہم ہڈیاں بن جاویں گے۔ اور جوڑوں اور گوشت وخون کا مجموعہ
تھا۔ وہ متفرق ہو جائے گا۔ پھر یہ ہڈیاں کس طرح وجود پذیر ہوں گی۔ اسکے
متعلق فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا فرمایا یعنی تمہارے مرنے کے بعد ہڈیاں رہ
جاتی ہیں گوشت پوست جلدی اُتر جاتا ہے۔ تم ان کو دیکھ کر ان ہڈیوں پر
گوشت پوست چڑھنا ناممکن خیال کرتے ہو۔ کیا جب تم ماں کے پیٹ میں تھے
اس وقت تمہارے جسم کی ہڈیوں پر گوشت چڑھایا گیا تھا یا نہیں۔ پھر تم
ایک کامل مجموعہ بن گئے تھے یا نہیں تم اس کا جواب اثبات میں دو گے۔ تو
اسی طرح ممکن ہے کہ جس ذات نے تمہاری ماں کے پیٹ میں فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ
تمہارے جسم کی ہڈیوں پر گوشت چڑھایا وہ اس موجودہ گوشت کے اُتر
جانے کے بعد ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دے۔ غرض قرآن مجید نے بعث
بعد الموت کے متعلق عام طور پر یہی پہلو اختیار کیا ہے۔ کہ انہیں پچھلے
نظائر کی طرف توجہ دلائی جاوے۔ اگر انہوں نے یہ کہا۔ کہ ہم ہڈیاں ہو جاوینگے
تو گوشت پوست کس طرح چڑھے گا۔ تو فرمایا کہ اسی طرح جس طرح کہ ماں
کے پیٹ میں چڑھ چکا ہے۔ اگر انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ ہم مٹی ہو جاوینگے
پھر کس طرح زندہ ہوں گے۔ تو فرمایا۔ کہ اب جو تم پیدا ہوئے ہو۔ اس سے

پہلے تم مٹی تھے۔ پس جس طرح اب تم مٹی سے بنے ہو۔ اسی طرح مٹی بنکر پھر زندہ ہو سکتے ہو۔ اگر انہوں نے یہ سوال کیا کہ ہم مرجاویں گے ہماری روح نکل جاویگی۔ تو کس طرح روح عود کرے گی۔ فرمایا کہ اس موجودہ زندگی سے پہلے کیا تم مُردہ نہ تھے۔ جس طرح اس مُردگی کے بعد زندگی ہوئی۔ اسی طرح آئندہ موت کے بعد حیات اور عدم کے بعد وجود ملے گا۔ اگر انہوں نے یہ پوچھا۔ کہ مرنے کے بعد ہمارے جسم کے تمام حواس تمام قوتیں تمام خاصیتیں زائل ہو جائیں گی۔ پھر یہ کس طرح ہمارے جسموں کی صفات بن سکتے ہیں۔ تو اس کا یہ جواب دیا کہ قحط کے ایام اور خزاں کے دنوں میں زمین کی ربودگی اس کی تروتازگی اس کی خاصیتیں زائل ہو جاتی ہیں۔ تو کیا بارش سے اس کی قوتیں لوٹ نہیں آتیں۔ اسی طرح جو اپنے حکم سے زمین کی قوتیں اور خواص واپس لا سکتا ہے وہی تمہارے اجسام کے خواص بھی لوٹا سکتا ہے ؀

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تَمَّتْ بِالْخَیْرِ

قَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی

تقدیر کے معنے ہیں۔ خدا کا وہ قانون جس کے مطابق ہر شے وجود میں آتی اور اپنے خواص ظاہر کرتی ہے اور چونکہ جو کام ہوتا ہے خاص خاص اسباب کے مطابق ہوتا ہے پس اسی کا نام تقدیر ہے فرمایا اِنَّا کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰہُ بِقَدَرٍ (ہم نے ہر چیز کو ایک خاص قانون اور اندازے پر پیدا کیا ہے۔ القمر رکوع ۳ پارہ ۲۷) وَخَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقۡدِیۡرًا فرقان۔ (ہر ایک چیز پیدا کی۔ پھر ہر ایک کے لئے ایک مناسب قانون واندازا مقرر کیا) وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ پر ایمان لانے کے بھی یہی معنے ہیں کہ نیکی اور بدی کے جو قانون اللہ نے باندھے ہیں۔ اور جس کام کو نیک اور جس کو بد مقرر کیا ہے۔ ہم نے اسے تسلیم کر لیا۔ اور نیز یہ مان لیا کہ ہر نیک و بد کا علم خدا تعالیٰ کو ازل سے ہے۔ مگر چونکہ علم تابع معلوم ہے۔ اسلئے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ جو کچھ علم الٰہی میں ہے۔ اسی کے مطابق کرنے پر ہم مجبور ہیں اور ہمارا کچھ بس نہیں۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے اپنے اختیار سے کرنا تھا۔ وہ خدا تعالےٰ کو پہلے ہی سے معلوم ہے۔ انسان اصل میں نہ تو بالکل مجبور ہے نہ بالکل مختار۔ بلکہ ان دونوں کے بین بین ہے۔ اس کی حالت اس گھوڑے کی مانند ہے جس کو اس کے مالک نے چراگاہ میں چھوڑ کر ایک لمبے رسے سے ایک میخ کے ساتھ باندھ دیا ہے۔ اب وہ اپنے دائرہ کے اندر آزادی سے اپنی مرضی کے موافق کام کر سکتا ہے یا اس گھڑی کی مانند جس کی سوئیاں ڈائل میں اپنی گارنٹی کے ایام تک چلتی رہتی ہیں۔ مگر جیسی وہ چابی کی محتاج ہے ایسے ہی انسان ہر وقت ہر آن اس قیوم سے جس کے ساتھ ذرہ ذرہ قائم ہے۔ مدد پانے کا محتاج ہے۔ اور اسی استمداد کا نام استغفار ہے۔ یعنی حفاظت طلب کرتے رہنا

چونکہ بعض لوگ اپنے تئیں کلی مختار سمجھتے تھے۔ اور بعض کلی طور سے مجبور۔ اس لئے کلام الٰہی میں دونوں کا رد آیا۔ کلی مختار نہ ہونا تو ظاہر ہے کہ کوئی انسان سب کام اپنی خواہشوں کے موافق نہیں کر سکتا۔ ہاں جس حد تک کرنے نہ کرنے پر قادر ہے اسی حد تک جواب دہ ہے جبھی فرمایا۔ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ۔ (ہر ایک شخص اپنے عملوں کے بدلے گرو ہے۔ المدثر ۲۹) ایسا ہی كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ (ہر ایک انسان اپنے عملوں کا جواب دہ ہے) فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۲۹/جمعہ۔ پھر تم جو کرتے رہے ہو۔ اس کی ضرور باز پرس کریگا۔ اور وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ۔ (جو برے عمل کمائیگا اوندھے منہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ پارہ ۲۷۔ النمل ع) کلی طور سے مجبور بھی نہیں۔ بعض کو ان دو آیتوں سے دھوکا لگا ہے۔ پارہ ۱۵۔ سورہ بنی اسرائیل رکوع ۲۔ وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ۔ اس کے صحیح معنے یہ ہیں کہ ہم نے ہر انسان کا نامۂ اعمال اس کی گردن میں لگا رکھا ہے یعنی جو کچھ کرتا ہے اس کا وبال اسی کی گردن پر ہے۔ اسی لئے آگے فرمایا کہ ہم قیامت کے دن اس کے روبرو کھول نکالیں گے اور فرمائیں گے پڑھ اور اپنا حساب آپ ہی کرلے۔ کیونکہ یہاں تو جیسی کرنی ویسی بھرنی کا معاملہ ہے۔ اب اگر رشتہ در گردنم افگندہ دوست والا معاملہ تھا۔ یعنی مجبور محض تھا۔ تو پھر اس کا جواب دہ کیونکر ہو۔ اور یہ کیوں فرمایا جائے وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا (جو گمراہ ہو تو اس کی گمراہی کا خمیازہ وہی اٹھائیگا) اور كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ کے بھی یہی معنے ہیں کہ ہر ایک اپنے اپنے خیال کے موافق کام کر رہا ہے۔ خدا خوب جانتا ہے وہی فیصلہ کریگا۔ دوسری آیت يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ۔ سپارہ ۴۔ سورہ آل عمران رکوع ۱۶۔ یہ تو جنگ کے موقعہ کا ذکر ہے۔ چنانچہ اس سے اگلی آیت اس کے معنے پر روشنی ڈالتی ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ۔ یعنی اگر ہماری باتوں کا بھی کچھ لحاظ کیا جاتا تو ہم ہلاک نہ ہوتے۔ بات یہ ہے کہ وہ لوگ کہتے کہ کیا

ہماری صلاحوں اور مشوروں پر بھی بالضرور عمل کیا جائے گا یا نہیں تو جواب دیا گیا کہ یہاں تمہاری خواہشوں کے موافق کارروائی ہونی ضروری نہیں۔ ہمارے سب کام تو اللہ ہی کے ہیں۔ اور چونکہ ہم مامور من اللہ ہیں۔ جیسے وہ فرمائے گا کریں گے۔ ایک اور مقام پر فرمایا۔ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ پارہ ۲۶۔ سورہ الحجرات رکوع ۱ (بہتیرے کام ایسے ہیں کہ اگر ان میں تمہارا کہا مانے تو تم بڑی مشکلات میں پڑ جاؤ) باقی رہا ہدایت و ضلالت کا معاملہ۔ وہ بے شک خدا تعالےٰ کے اختیار میں ہے۔ جب تک اس کا فضل شامل نہ ہو۔ کوئی ہدایت نہیں پا سکتا۔ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ اعراف پارہ ۸ ع ۵ (ہم ہدایت نہیں پاتے۔ جب خدا ہدایت نہ دے) مگر یہ کہنا کہ گمراہ بھی وہی کرتا ہے یا بدیاں بھی وہی کراتا ہے۔ سخت گستاخی بے ادبی ہے۔ خدا کے حضور جن آیات سے یہ معنے نکلتے ہیں۔ وہ ترجمہ کرنیوالوں کی غلطی ہے۔ افسوس ہمارے علماء بھی غلطیوں سے نہ بچے اور غیر قوموں کو اعتراضات کرنے کا موقعہ دیا۔ اگر وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ (اللہ کیلئے وہی باتیں ہیں جو اس کی شان کے موافق ہیں۔ پارہ ۱۴۔ سورہ النحل ع ۸) پر نظر ہو تو کیوں فَالْيَوْمَ نَنْسَاهُمْ اعراف ۶/۸ کے معنے آج کے دن ہم بھلا دینگے کریں۔ جبکہ نسیان خدا کی صفت علیم کے برخلاف ہے۔ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا۔ یہاں نسیان کا جو نتیجہ ہے۔ یعنی جس کو بھولتے ہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ پس یہاں چھوڑنے اور ترک کر دینے معنے لئے جائیں گے۔ ایسا ہی اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ پارہ ۱۔ سورہ البقرہ ع ۲ کے معنے کرتے ہوئے جب الٰہی صفتوں کا خیال گا۔ تو ہم معنے کریں گے۔ اللہ ان کی ذلت کرتا اور حقیر بناتا ہے۔ کیونکہ ٹھٹھہ کرنے سے یہی مقصود ہوتا ہے۔ ایسا ہی هُوَ خَادِعُهُمْ (نساء) کے معنے ان کو چھوڑنے والا کرینگے۔ کیونکہ خدع کے معنے لغت میں یہ بھی ہیں۔ ایسا ہی جب انہیں وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ

فَادْعُوْهُ بِهَا۔ سب اچھے نام اللہ ہی کے لئے ہیں پس انہی سے انکو پکارو) کا خیال ہو تو یُضِلُّ کے معنے کرتے ہوئے موقعہ و محل دیکھیں۔ ایک تو چونکہ اسباب کا مسبب وہی ہے۔ اس لئے اسکی طرف سب کام منسوب کئے جاتے ہیں۔ اور وہ مراد کسی کو بے وجہ بے گناہ مجرم نہیں کر دیتا۔ بلکہ پہلے ایک کام انسان کرتا ہے۔ جس پر ساتھ ہی نتیجہ کے طور سے ایک فعل خدا کی طرف سے صادر ہوتا ہے۔ جیسے دروازہ بند کرو یہ تمہارا اختیار ہے۔ اب اس پر اندھیرا ہو جائیگا۔ یہ خدا کا فعل ہے۔ ایسا ہی خدا دلوں پر مہر لگی رہنے دیتا ہے۔ مگر اسی صورت میں جب کہ انہوں نے انکار کیا۔ پھر ڈرانے کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور ان کے نزدیک ڈرانا نہ ڈرانا ایک ہی بات ہو گئی۔ اور وہ ایمان نہ لائے۔ تو خدائی فعل صادر ہوا کہ مہر لگ گئی۔ مگر اسی وقت تک جب تک کہ دل کی کھڑکیاں نہ کھولیں۔ فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ $\frac{\text{صف}}{14}$ ۲۸ (جب ٹیڑھی چالیں چلنے لگے۔ اور کج روی اختیار کی تو خدا نے انہیں کج روہی رہنے دیا۔ کیونکہ وہ کسی پر جبر نہیں کرتا) (۲) كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ۔ پارہ ۲۴۔ سورہ المومن ع ۴ (اسی طرح مہر لگی رہنے دیتا ہے اللہ تعالےٰ ہر ایسے دل پر جو تکبر اور سرکشی اختیار کرنیوالا ہو) غرض کہ پہلے انسان کچھ کرتا ہے۔ تو پھر اللہ اس کی سزا دیتا ہے۔ اور وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ۔ پارہ ۲۴۔ المومن ع ۴ کے وہی معنی ہیں جو مَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا۔ (بنی اسرائیل) کے ہیں کہ جسے خدا ہلاک کرنا چاہے۔ اس کا کوئی والی وارث اور بھلائی پہچاننے والا نہیں۔ نیز دیکھنا چاہیے کہ وہ ہدایت کس کو نہیں دیتا۔ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ۔ $\frac{\text{المومن}}{\text{ع ۴}}$ ۲۴۔ (اللہ نہیں ہدایت دیتا اس کو جو حد سے بڑھنے والا اور نہایت جھوٹا ہو) یعنی اسراف و کذب کا مرتکب ہو۔ اسے ہدایت نہ پانے

کی سزا ملتی ہے۔ ایسا ہی گمراہ بھی اسے رہنے دیتا ہے۔ جو "فسق" اختیار کرے۔ جیسا کہ فرمایا۔ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ۔ نہیں گمراہی کا حکم لگتا۔ مگر ان پر جو فسق اختیار کریں (بقرہ) ایسا ہی فرمایا۔ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ نِ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ پارہ ۲۴۔ سورہ المومن رکوع ۴۔ اللہ گمراہی کا حکم لگاتا ہے جو حد سے بڑھنے اور بیہودہ بدظنیوں سے کام لینے والا اور جھگڑالو ہو۔ اور فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ پارہ ۱۳۔ سورہ ابراہیم رکوع ۱۔ کے معنے تو یہ ہیں کہ اللہ گمراہی پر چھوڑ دیتا ہے اُسے جو گمراہی چاہے۔ اور ہدایت دیتا ہے جو ہدایت چاہے۔ گمراہی چاہنے کی نشانی اس سے پہلی آیت میں فرمائی۔ آخرت کا خیال چھوڑ کر محبت زندگی دنیا کی۔ اللہ کی راہ پر چلنے سے روکنا اور دیدہ دانستہ کجروی کا خواہاں ہونا۔ اور ہدایت پانے کی دوسرے مقام پر تشریح فرمائی۔ وَيَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ۔ پارہ ۱۳۔ الرعد ع ۴ (اپنی طرف سے ہدایت دیتا ہے اس کو جو ہمہ تن متوجہ ہو کر جھکے) گمراہ کرنے یا بدی کرنے سے اللہ تعالےٰ پاک ہے۔ جیسے کہ فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ۔ پارہ ۱۴۔ النحل رکوع ۱۲۔ (اللہ عدل احسان اور ذی القربیٰ کو دینے کا حکم کرتا ہے) اور بے حیائی اور ناشائستہ حرکات اور زیادتیاں کرنے سے منع کرتا ہے) اللہ کے ساتھ عدل یہ ہے کہ اس کی صفات میں کسی کو شریک نہ ملائیں۔ اس کے احکام کی تعمیل کریں۔ لوگوں کے ساتھ یہ کہ نیکی کے بدلے نیکی کریں۔ اللہ کے ساتھ احسان یہ کہ اس کی عبادت ایسی کریں کہ اسے دیکھ رہے ہیں اَنْ تَعْبُدَ رَبَّكَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ (مشکوٰۃ)

تتبعون الا الظن کہ تم نفسانی خواہشوں اور اپنے وہموں کی پیروی
الٰہ ہے اور اٹکل کے تکّے چلا رہے ہو۔ پھر فرمایا کہ ہم نے اپنی امانت (وہ
فطرت و کمالات جو خدا نے بخشے ہیں) آسمان و زمین و پہاڑوں پر پیش
بد مگر وہ اپنے تئیں آپ سنبھالنے کی صلاحیت نہ رکھتی تھیں۔ مگر انسان نے
ذمہ داریاں اٹھالیں وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ط إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا
جَهُولًا۔ کیونکہ وہ اپنے تئیں مدارج کمالات تک پہنچانے کے لئے
اپنے نفس پر ظلم یعنی مشقت ڈال سکتا۔ اور اپنے مطلوب کے سوا غیر
ماسوی اللہ) کو فراموش یعنے اُن سے انقطاع کرنے پر قادر ہے۔

اس تشریح کی روشنی میں مسئلہ تقدیر بالکل

——— صاف ہے ———

تمت

ملک فضل حسین احمدی مہاجر

منیجر احمدیہ کتابستان ربوہ ضلع جھنگ

ضیاء الاسلام پریس ربوہ

اور لوگوں کے ساتھ احسان یہ کہ بلا لحاظ اس کے کہ کسی نے نیکی کی
یا نہیں۔ مخلوق خدا سے نیکی کرتے جائیں۔ خدا کے ساتھ ذی القربیٰ
سا معاملہ یہ ہے کہ اس کی عبادت طبعی محبت سے بلا لحاظ کسی عوض
معاوضہ کے کریں اور مخلوق سے یوں کہ ہمدردی باوجود ان کے بد
سلوک کے کئے جائیں جیسے ماں بچہ سے محبت رکھتی ہے۔ اور بعض اوقات
بچہ گالیاں دیتا نافرمانبرداریاں کرتا ہے۔ مگر پھر بھی ماں نیک
سلوک نہیں چھوڑتی۔ عدل حد سے بڑھے تو فاحشہ (ناپاک صورت) احسان
حد سے بڑھے تو منکر جس سے عقل و ضمیر انکار کرے ایتاذی القربیٰ
بے محل ہوں تو اس بارش کی طرح جس سے زمین تباہ ہو جاتی ہے اور جیسے
کہتے ہیں ہو جائے گا پھر فرمایا وَلَا يَرْضَى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ (الزمر ۱۴-۲۳) (اور
اپنے بندوں کے لئے کفر پسند نہیں کرتا۔ نہیں چاہتا کہ کفر کریں) پھر آیا مرکم
بالکفر بعد اذ انتم مسلمون (پارہ ۳ - آل عمران ع) کیا جب تم فرمانبرداری
کا اقرار کر چکے تو وہ تمہیں کفر (جس میں تمہارے برے کام شامل ہیں) کا حکم دینے
لگا ہے ہرگز ایسا نہیں کرتا پھر قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ (اللہ تعالیٰ
ہرگز برے کاموں کا حکم نہیں دیتا پس یہ خیال ہرگز قبول نہیں کہ اللہ تعالیٰ
ہی بدیاں کرواتا ہے۔ مسلمانوں میں یہ خیال زیادہ تر اس جملہ سے پھیلا کہ نیکی
بدی اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ اس کا یہ مطلب نہ تھا ایک دوسرے مقام
پر اللہ فرما دیا ہے کہ انسان میں بدی سے بچنے
کی طاقت ہے یہی وجہ ہے کہ لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا
پارہ ۸ انعام رکوع ۱۷ (اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم مشرک نہ بنتے اور نہ ہمارے
باپ دادا ایسے ہوتے) کا عذر قابل تسلیم نہیں سمجھا گیا اور فرمایا گیا